باب پنجم

چالیس سال قبل......

''پھر ان کو جگا اُٹھایا
تاکہ معلوم کریں
کہ جتنی مدّت وہ (غار میں) رہے
دونوں جماعتوں میں سے اس کی مقدار کس کو خوب یاد ہے۔
ہم اُن کے حالات تم سے صحیح صحیح بیان کرتے ہیں
وہ کئی جوان تھے
جو اپنے پروردگار پر ایمان لائے تھے
اور ہم نے ان کو اور زیادہ ہدایت دی تھی۔
اور ان کے دلوں کو مربوط (یعنی مضبوط) کر دیا
جب وہ (اُٹھ) کھڑے ہوئے تو کہنے لگے
کہ ہمارا پروردگار آسمانوں اور زمین کا مالک ہے
ہم اس کے سوا کسی کو معبود (سمجھ کر) نہ پکاریں گے
(اگر ایسا کیا) تو اس وقت ہم نے بعید از عقل بات کہی۔''
سورۃ الکہف (۱۲ تا ۱۴)

....

جب یہ اور فن اتیج ایک چرچ ہوا کرتا تھا۔

اتوار کا دن بہت روشن تھا۔ پرندے آسمان پہ اڑ رہے تھے۔ ان کی چہچہاہٹ ماحول کو ایک خوبصورت گیت سنا رہی تھی۔ یہ گیت ہر سامع کو سرور بخش رہا تھا۔ سورج بادلوں کے پیچھے چھپ کر یہ گیت سن رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا سے ماحول میں تازگی تھی۔

بڑی سی عمارت کے چاروں کونوں میں مینار کھڑے تھے، جن پہ کوٹھی نما چھتیں بنی تھیں۔ان چاروں کے علاوہ عمارت کے داخلی دروازے، سامنے سے دیکھنے پہ جو عین وسط میں تھا، کہ اوپر سب سے بڑا مینار بنا تھا۔اس مینار کی چھت بھی کوٹھی نما تھی اور اس پہ صلیب کا ایک بڑا سا نشان واضح نظر آرہا تھا۔داخلی دروازے کے عین اوپر بھی صلیب کا ایک نشان بنا تھا مگر وہ اس کی نسبت چھوٹا تھا۔

دروازہ کھلتے ہی سامنے بڑا سا ہال دکھائی دیتا تھا۔عین سامنے بڑے سے زینے تھے۔درمیان سے شروع ہو کر وہ دو حصوں میں تقسیم ہو جاتے تھے۔ہال کے دائیں اور بائیں طرف چار چار کمرے بنے تھے۔بالائی منزل میں بھی ایسے ہی کمرے بنے تھے۔انہی کمروں میں سے بائیں طرف سب سے آخر والے کمرے میں بہت سے لوگ جمع تھے۔یہ کمرہ سیڑھیوں کے ساتھ تھا۔کمرے میں دائیں بائیں لکڑی کے بینچ زمین میں نصب تھے۔بینچوں کے درمیان ایک بڑی راہداری تھی جو سیدھا چبوترے تک جاتی تھی۔یہ سٹیج چار اینٹیں اونچا تھا۔اسی اسٹیج کے اوپر ایک مجسمہ لٹک رہا تھا۔

ایک بڑی عمر کا آدمی کالا لباس اور گلے میں لمبی مالا جس پہ صلیب کا چھوٹا سا نشان لگا تھا، پہنے کچھ پڑھ رہا تھا۔ہاتھ میں ایک کتاب تھام رکھی تھی۔وہ کبھی کتاب کو دیکھتا اور کبھی سامنے کھڑے لوگوں کو، جو اسے خاموشی سے سن رہے تھے۔وہ اس چرچ کا پادری تھا۔

''خداوند تمہاری مدد ضرور کرے گا۔''کتاب بند کرنے کے بعد اس نے کہا۔اب وہ سب کو دیکھ رہا تھا۔کتاب پڑھنا بند کی تو سب بیٹھ گئے۔

''اب ہم سب دعا کرتے ہیں۔''پادری کے کہنے پہ سب نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے۔

انہی میں سے ایک بنچ پہ ایک اٹھارہ انیس سال کی لڑکی بیٹھی دعا کر رہی تھی۔گردن کے گرد اسٹالر لپیٹے، بالوں کو نفاست سے سمیٹ کر ایک طرف کیے، پلکیں جھکائے وہ منہ میں کچھ پڑھ رہی تھی۔دعا مکمل ہوئی تو لوگ اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگے۔وہ اٹھی اور اپنے ساتھ بیٹھی اپنی بوڑھی ماں کو بھی اٹھنے میں مدد دی۔ایک ہاتھ میں چھڑی پکڑے، بوڑھی عورت اس کا سفید نرم و ملائم ہاتھ تھام کر چلنے لگی۔وہ دروازے تک آئی اور ایک نظر مڑ کر دیکھا۔

اس کی نظروں میں امید تھی۔آس تھی......

''چلو بھی، ورنہ بارش شروع ہو جائے گی۔''بوڑھی عورت نے کپکپاتی آواز میں کہا۔لڑکی نے دیکھا کہ اس کی ماں اسے قدرے خفگی سے دیکھ رہی ہے۔

ذرا جھینپ کر وہ آگے بڑھنے لگی۔

''مجھے لگتا ہے آج بارش نہیں ہو گی۔''لڑکی نے کہا۔

’’تمہیں آسمان سے کوئی خط تو نہیں ملا؟‘‘ بڑھیا نے خفگی سے کہا۔ لڑکی ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

’’نہیں اولڈ لیڈی...... میں بس اندازہ لگا رہی ہوں۔‘‘

’’تم بعد میں لگانا اندازے۔ ابھی باہر جاؤ اور کسی بگھی کو روکو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں بگھی نہ ملے۔ اب میں اس جوانی میں گھڑ سواری نہیں کر سکتی۔‘‘ بڑھیا کہنے کے بعد ہنس دی۔ لڑکی بھی ہنس دی۔

’’ہاں میں دیکھتی ہوں۔ اس جوانی کو سنبھال کر ہی رکھو اولڈ لیڈی۔ ابھی آگے بھی بہت کام کرنے ہیں۔ کل میں کوئی لڑکا بھی دیکھتی ہوں تاکہ یہ جوانی ضائع ہونے سے بچ جائے۔‘‘ وہ ہنس دی۔ بوڑھی عورت نے بھی کانپتا ہوا قہقہہ لگایا۔

وہ دونوں اس چرچ کے ہال میں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ قہقہوں کی آواز آتی تو بہت سے لوگ انہیں مڑ کر دیکھتے۔ جوان لڑکی اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ کتنی خوش تھی۔ دیکھنے والوں کو ان کا آپسی تعلق پہلی نظر میں ہی بھا رہا تھا۔

’’لڑکا بعد میں دیکھنا۔ ابھی کسی بگھی کو روکو۔ اب جاؤ بھی۔‘‘ بوڑھی عورت نے اس بار ذرا زور سے کہا۔ لڑکی نے انہیں قریب ایک بینچ پہ بٹھایا اور خود باہر چلی گئی۔ بڑا سا ہال عبور کر کے وہ باہر آئی۔ وہاں ایک دو بگھیاں کھڑی تھیں۔ متعدد لوگ بگھی بانوں سے بات کر رہے تھے۔

’’میں لیٹ ہو گئی۔‘‘ لڑکی نے افسوس سے کہا۔ ایک نظر مڑ کر اپنی بوڑھی ماں کو دیکھا۔ وہ چہرہ جھکائے بیٹھی تھی۔ دفعتاً اسے ایک لڑکا نظر آیا۔ وہ اکیلا تھا۔ وہ چل کر اس کے پاس گئی۔

’’ایکسکیوز می۔‘‘ اس نے ہچکچاتے ہوئے کہا۔ لڑکا بگھی بان سے مخاطب تھا۔

’’جی؟‘‘ وہ اس کی طرف گھوما۔ سفید رنگت، بھوری آنکھوں اور بالوں والا لڑکا دیکھنے میں کافی بھلا معلوم ہوتا تھا۔ چہرہ کسی بھی قسم کے بالوں سے آزاد تھا۔

’’آپ اکیلے ہیں؟‘‘ لڑکی نے جھجھک کر سوال کیا۔

’’جی......‘‘ وہ بہت مدھم انداز میں بات کر رہا تھا۔ وہ پڑھا لکھا معلوم ہوتا تھا۔

’’وہ...... ہمیں کوئی بگھی نہیں مل رہی۔ ہمیں بھی فورکس جانا ہے۔ کیا ہم آپ کے ساتھ چل سکتے ہیں؟ کرایہ ہم آدھا آدھا بانٹ لیں گے۔‘‘

’’آپ کے ساتھ کون ہے؟‘‘ وہ مہذب انداز میں بولا۔

’’میری مام ہیں۔ وہ اندر ہیں۔ میں انہیں لے آؤں؟ وہ زیادہ پیدل نہیں چل سکتیں۔ اسی لیے میں نے آپ سے کہا۔ سوری فار ڈسٹربنگ یو۔‘‘ لڑکی کے انداز میں جھجھک ہنوز تھی۔

لڑکا اس کی بات سن کر مسکرایا۔ "جی ضرور لے آئیں۔ مجھے آپ کی مدد کر کے خوشی ہو گی۔"
اس کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیل گئی اور وہ شکریہ کہتی اندر چلی گئی۔
ہال میں ایک دو ننز(Nun،جو چرچ کی خادمہ ہوتی ہے) کے علاوہ کوئی نہ تھا۔اس کی ماں ہاتھ میں چھڑی پکڑے وہیں بیٹھی تھی۔

"چلو اولڈ لیڈی۔ بگھی مل گئی ہے اور ایک خوبصورت لڑکا بھی مل گیا ہے تمہاری ضائع ہوتی جوانی سنبھالنے کے لیے۔" وہ شوخ سے انداز میں بولی اور ہنس دی۔

"بہت بد تمیز ہو تم مہر......" بوڑھی عورت نے ہنستے ہوئے کہا۔ مہر ابھی تک ہنس رہی تھی۔ ساتھ ساتھ چلتیں وہ دونوں چرچ کی عمارت سے باہر آ گئیں۔ دائیں طرف بگھی اور وہ لڑکا کھڑا تھا۔ رسمی علیک سلیک کے بعد وہ تینوں بگھی میں سوار ہو گئے۔ بگھی بان نے رسی کو مخصوص انداز میں کھینچ کر گھوڑوں کے آگے بڑھنے کا عندیہ سنایا۔ گھوڑے اپنی مخصوص ہنہناہٹ کے بعد دوسری طرف رخ موڑ کر، کچی سڑک پہ دوڑنے لگے۔ آج آسمان صاف تھا۔ مہر کا اندازہ درست ثابت ہوا تھا۔ تیز رفتاری سے گھوڑے فورکس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ان کے عقب میں چرچ کی بڑی سی عمارت اسی شان سے کھڑی تھی۔ صلیب کا بڑا سا نشان کافی دور تک نظر آتا تھا۔

بگھی میں وہ تینوں چپ چاپ بیٹھے تھے۔ مہر اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ بیٹھی تھی۔ مخالف سمت وہ لڑکا ترچھا ہو کر بیٹھا تھا۔ اس کی نظریں باہر دیکھ رہی تھیں۔ چھوٹے چھوٹے سوراخوں سے باہر لگے درخت واضح نظر آ رہے تھے۔

"تمہارا نام کیا ہے بیٹا؟" بوڑھی عورت نے چھڑی سامنے کھڑی کر رکھی تھی اور دونوں ہاتھ چھڑی پہ اوپر نیچے رکھے تھے۔ لڑکے نے سوالیہ نظروں سے عورت کو دیکھا جیسے اسے سوال سمجھ نہ آیا ہو۔

"پارڈن (معذرت)؟" اس نے پوچھا۔

"میں نے پوچھا تمہارا نام کیا ہے؟" کپکپاتے لہجے میں سوال دہرایا۔

"گریسن...... میرا نام گریسن ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور ایک نظر خاموش بیٹھی مہر کو دیکھا۔

"اچھا نام ہے۔ میرے بھائی کا نام بھی گریسن تھا۔" بوڑھی عورت نے مسکراتے ہوئے کہا۔ مسکرانے سے ان کے چہرے پہ جھریوں کی تعداد مزید بڑھ جاتی تھی۔

"تھا؟ یعنی......" اس نے ناسمجھی سے انہیں دیکھا۔

مہر اور اس کی ماں اس ادھورے جملے کا مطلب سمجھ سکتی تھیں۔ ''ہاں۔اب وہ اس دنیا میں نہیں رہا۔'' وہ دکھ سے بولیں۔ان کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ مہر نے اپنی ماں کے ہاتھ پہ ہاتھ رکھا جیسے تسلی دے رہی ہو۔

''اوہ۔آئی ایم سوری۔'' وہ تعزیتی انداز میں بولا۔ ''کیا ہوا تھا انہیں؟'' کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے سوال کیا تھا۔وہ اب سیدھا ہو چکا تھا۔اس کی ساری توجہ اب اس عورت کی طرف تھی۔

انہوں نے چھڑی ایک طرف رکھی اور ہاتھ باہم پھنسا لیے۔ ''نہیں نہیں۔وہ بیمار تھا۔بہت زیادہ بیمار......اسی بیماری نے اس کی جان لی ہے۔ہم نے اس کا علاج بھی کروایا تھا لیکن وہ روز بروز کمزور ہوتا جا رہا تھا۔وہ اس بیماری سے لڑ نہیں سکا۔بس پھر......اب وہ ہمارے درمیان نہیں ہے۔مجھے بھی شاید یہی بیماری ہے۔میں بھی دن پر دن کمزور ہوتی جا رہی ہوں۔میرا علاج بھی ہو رہا ہے لیکن......میرا نہیں خیال مجھے کوئی فرق پڑ رہا ہے۔شاید میرے پاس بھی زیادہ دن نہیں ہیں۔میں بھی چند دنوں میں اپنے بھائی کے پاس چلی جاؤں گی۔میں بھی مر جاؤں گی اس کی طرح۔مجھے اس بات کا ڈر نہیں ہے۔مجھے بس مہر کی فکر ہے۔'' بوڑھی عورت نے اداسی سے کہا اور مہر کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھی۔مہر نے ان کا ہاتھ مزید مضبوطی سے تھام لیا تھا۔اس کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپک رہے تھے۔

ماں کے بغیر بھی کوئی زندگی ہوتی ہے؟ جن کی مائیں نہیں ہوتیں،وہ کس کرب سے گزرتے ہیں، یہ وہی جانتے ہیں۔باقی کوئی بھی وہ درد محسوس کر ہی نہیں سکتا۔انسان کو دنیا میں سب سے پہلے اپنی ماں سے محبت ہوتی ہے۔وہ اپنی ماں کے سب سے زیادہ قریب ہوتا ہے تو جب اولاد کے سامنے اس کی ماں کی جان نکل رہی ہو اور وہ بے بسی سے صرف دیکھ رہا ہو......وہ کرب......وہ درد......وہ تکلیف......وہ اذیت......ہر احساس سے گئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔اپنی سب سے پیاری ہستی کو مرتے دیکھنا کوئی عام بات نہیں۔

مہر اس دکھ کو اکیلی ہی محسوس کر رہی تھی۔اس کا کوئی بھائی، کوئی بہن نہیں تھی۔وہ اپنی ماں کو دن پر دن کمزور ہوتا دیکھ رہی تھی۔اکثر اس کی ماں کوئی چیز اٹھاتیں تو چیز نیچے گر جاتی تھی۔ان کے ہاتھوں میں اتنی جان نہیں تھی۔مہر سب دیکھ رہی تھی۔وہ بے بس تھی۔وہ کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی۔وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں کے پاس بہت کم وقت ہے۔وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں جلد ہی اس سے دور جانے والی ہے۔اس بات کا احساس اس نے کبھی اپنی ماں کو نہیں دلایا تھا۔وہ ہر ہفتے چرچ آکر دعائیں بھی کرتی تھی۔شاید اس کی دعائیں قبول نہیں ہو رہی تھیں۔وہ اکثر سوچتی تھی کہ وہ بہت شدت اور سچائی سے دعا کرتی ہے تو اس کی دعائیں قبول کیوں نہیں ہوتیں؟اس کے اندر جیسے کوئی شک سا تھا۔وہ اس بارے میں مزید جاننا چاہتی تھی۔وہ خدا کو تلاش کرنا چاہتی تھی۔وہ اسے محسوس کرنا چاہتی تھی۔اس سب کے باوجود وہ بہت خلوصِ دل سے دعا کرتی تھی۔

''آپ ایسے مت کہیں۔ میں بھی آپ کے لیے دعا کروں گا۔'' گریسن نے اداس مسکراہٹ سے جواب دیا۔ ''اور مہر کو بھی کچھ نہیں ہوگا۔ آپ خدا پہ بھروسہ رکھیں۔ وہ ضرور آپ کو صحت دے گا۔''

مہر نے آنسو صاف کر کے اسے دیکھا۔ ''مجھے نہیں لگتا میری دعائیں قبول ہوتی ہیں۔ میں کتنے عرصے سے دعا کر رہی ہوں۔ میں ہر ہفتے چرچ بھی آتی ہوں۔ پھر کیوں خدا میری دعائیں قبول نہیں کرتا؟ مجھے اس سب پہ شک ہونے لگا ہے۔ میرا یقین اب پختہ نہیں رہا۔ تین تین خ......''

''مہر پلیز چپ کر جاؤ۔'' اس کی ماں غصے سے بولی۔ ''تمہیں پتا بھی ہے تم کیا کہہ رہی ہو؟''

مہر چپ کر گئی اور چہرہ جھکا لیا۔ اس کے انداز میں اکتاہٹ تھی۔ وہ بہت چڑچڑے انداز میں بولی تھی۔ اسے بھی اندازہ تھا کہ ان دونوں کو اس کی بات بہت بری لگی ہے۔ وہ خاموش ہو گئی اور گیلی سانس اندر کھینچی۔

''میں آپ کے لیے دعا کروں گا۔'' گریسن کے پاس اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں تھا۔

بگھی کچی سڑک پہ تیزی سے دوڑ رہی تھی۔ وہ تینوں خاموش ہو گئے۔

فورکس کا علاقہ شروع ہو چکا تھا۔ درخت اب ختم ہو چکے تھے۔ گھوڑوں کی رفتار قدرے آہستہ ہو گئی تھی۔ سڑک کے دائیں بائیں لوگ پیدل چل رہے تھے۔ فٹ پاتھ کے پیچھے چھوٹے بڑے گھر بھی تھے۔ سورج اپنا سفر مکمل کرنے کے قریب تھا۔

''یہاں سے دائیں طرف لے لیں۔'' گریسن نے بگھی بان سے کہا۔ آواز ذرا اونچی تھی۔ وہ دونوں خاموش بیٹھی رہیں۔

بگھی دائیں طرف گھومی اور مطلوبہ جگہ آنے پہ گریسن نے بگھی بان کو رک جانے کا کہا۔ گریسن کی منزل آچکی تھی۔

''میں چلتا ہوں۔ آپ سے مل کر اچھا لگا۔'' وہ مسکرا کر کہتا باہر جانے لگا۔

''جیتے رہو بیٹا۔ خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔ ویسے تم اگلی بار چرچ کب جاؤ گے؟'' ان کے سوال پہ وہ باہر جاتے جاتے رک گیا۔

''اگلے اتوار کو ہی......'' اس نے سرسری انداز میں کہا۔

''تو پلیز تم ہمیں بھی ساتھ لے چلنا۔ ہم دونوں یہیں قریب ہی رہتے ہیں۔ غالباً پچھلی گلی میں......ہے نا مہر؟'' آخر میں مہر کو مخاطب کیا تو وہ جیسے ہوش میں آئی۔

''ہاں جی۔ یہ چار نمبر گلی ہے۔ ہم تین نمبر گلی میں رہتے ہیں۔'' اس نے بے خیالی کی سی کیفیت میں کہا۔

گریسن بگھی سے نیچے اتر چکا تھا۔ ''ٹھیک ہے۔ آپ لوگ اگلے اتوار کو وقت پہ آجایئے گا۔ ہم ساتھ ہی چلیں گے۔'' وہ مسکرا کر بولا۔ ''اوکے بائے۔'' ہاتھ ہلا کر کہتا وہ آگے بڑھا۔ بگھی بان کو چند سکے دیے اور اپنے گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ مہر اور اس کی ماں نے اسے جاتے دیکھا۔

''ہم نے اگلی گلی میں اترنا ہے۔''مہر آگے ہو کر اونچی آواز میں بولی۔ بگھی بان نے بگھی آگے بڑھا دی۔ وہ ان کی مطلوبہ جگہ پہ لے آیا تھا۔ مہر پہلے بگھی سے اتری اور پھر بوڑھی ماں کو اترنے میں مدد دی۔اس کے بعد وہ بگھی بان کی طرف گھومی اور پرس میں سے چند سکے نکال کر آگے کیے۔

''وہ صاحب پیسے دے چکے ہیں۔''اس نے کہا۔

مہر حیران رہ گئی۔اسے قدرے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔کچھ بھی کہے بغیر اس نے سکے واپس رکھے اور اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔مہر ابھی تک گریسن کی اس حرکت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔اسے حیرانی اور شرمندگی، دونوں احساسات نے آن گھیرا تھا۔

گھر کا دروازہ کھول کر وہ اندر چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆

دو منزلہ چھوٹے سے گھر میں وہ دونوں رہتی تھیں۔مہر کے والد کچھ عرصے کے لیے دوسرے ملک گئے تھے۔وہ حکومت کے کسی ادارے میں کام کرتے تھے۔اسی لیے وہ دوسرے شہروں اور کبھی کبھی دوسرے ملکوں میں آتے جاتے رہتے تھے۔مہر اور اس کی ماں بھی ان کے ساتھ ہی جایا کرتی تھیں مگر پچھلے کچھ سالوں پہلے جب وہ فورکس آئے تھے تو اس کی ماں کی طبیعت خراب رہنے لگی تھی۔وہ بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو جاتی تھیں۔وہ سفر نہ کر سکیں، اسی لیے اس کے والد اکیلے ہی چلے گئے تھے۔شہر کے بہترین معالج ان کا علاج کر رہے تھے۔ان کو افاقہ ہو رہا تھا مگر اب تقریباً چھ مہینوں سے ان کی حالت بگڑتی جا رہی تھی۔وہ دن پر دن کمزور ہوتی جا رہی تھیں۔وہ پانی کا گلاس بھی زیادہ دیر کے لیے نہیں اٹھا سکتی تھیں۔کسی ڈاکٹر کو ان کی بیماری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی۔بظاہر وہ ٹھیک ہی لگتی تھیں مگر اندر سے وہ بالکل کھوکھلی ہوتی جا رہی تھیں۔کوئی انہیں دیکھ کر یہ نہیں کہہ سکتا تھا کہ وہ بیمار ہیں۔بیماری انہیں اندر سے کھا رہی تھی۔اب آ کر ان پہ بڑھاپا بھی قدم جما رہا تھا۔وہ اب بوڑھی بھی لگتی تھیں۔

مہر کے علاوہ ان کی اور کوئی اولاد نہیں تھی۔وہی ان کا آخری سہارا تھی۔مہر نے اپنے والد کو خط کے ذریعے اپنی ماں کی حالت کے بارے میں مطلع کر دیا تھا۔وہ دوائی کھاتی تھیں۔ایک ڈاکٹر نے مہر کو اعتماد میں لے کر یہ خبر سنا دی تھی کہ شاید اس کی ماں اس بیماری سے لڑ نہ سکے۔لہذا، مہر کسی بھی بری خبر کے لیے ذہنی طور پہ تیار تھی۔

اپنے باپ کے جانے کے بعد وہ اپنی ماں کی بہترین دوست بن گئی تھی۔وہ ان سے بہت باتیں کرتی تھی۔وہ اکثر شام کو واک پہ جایا کرتی تھیں۔مہر نے کبھی انہیں یہ احساس نہیں دلایا تھا کہ وہ مر رہی ہیں۔وہ بہت ہمت والی تھی۔اس نے خود کو کبھی کمزور نہیں پڑنے دیا تھا۔اپنے والد کو بھی اس نے ڈاکٹر کی بات سے آگاہ کر دیا تھا مگر اس کے والد یہاں آنے سے قاصر تھے۔مہر کو اس بات کا بہت دکھ

تھا۔ وہ ہر بار ہی ٹالتے رہے تھے۔ یوں جیسے ان کے لیے ان دونوں سے زیادہ ضروری ان کا کام ہے۔ جب کبھی وہ مہر سے اپنے شوہر کی آمد کے بارے میں پوچھتیں تو مہر کوئی نہ کوئی بہانا بنا دیتی تھی۔

''آخر ایسی بھی کیا آفت آچکی ہے جو وہ واپس نہیں آسکتے؟'' وہ اس سے کہا کرتی تھیں۔ مہر کے پاس سوائے اداس مسکراہٹ کے اور کوئی جواب نہیں ہوتا تھا۔

پچھلے کچھ عرصے سے مہر اپنے باپ کو مسلسل خط لکھ رہی تھی۔ وہ انہیں اپنی ماں کی بگڑتی حالت کے بارے میں بتاتی مگر وہاں سے اب کوئی جواب نہ آتا تھا۔ مہر اس طرف سے بھی پریشان تھی۔ اس بات کا ذکر اس نے کبھی اپنی ماں سے نہیں کیا تھا۔ وہ انہیں مزید کوئی دکھ نہیں دینا چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ اس کی ماں مر رہی ہے۔ وہ انہیں دوسری فکروں سے دور ہی رکھتی تھی۔ اپنی ماں کی بیماری کے دوران ہی مہر نے سارا گھر سنبھال لیا تھا۔ وہ خود کھانا بناتی تھی۔ اندر باہر کے سارے کام وہ خود کیا کرتی تھی۔ شروع شروع میں اس کے لیے یہ سب مشکل تھا مگر حالات انسان کو سب کچھ سکھا دیتے ہیں۔ آہستہ آہستہ مہر نے بھی سب کچھ سیکھ لیا تھا۔

''چلو کم از کم میری بیماری نے تمہیں سارے کام سکھا دیے ہیں۔ تم ایک اچھی ہاؤس وائف بنو گی۔'' اس کی ماں اکثر اسے کہا کرتی تھیں۔ وہ اوپر اوپر سے تو مسکرا کر ہی کوئی جواب دیتی تھی مگر اندر سے یہ الفاظ اس کے دل کو توڑ کر رکھ دیتے تھے۔ یہ بات وہی جانتی تھی۔

مہر پڑھی لکھی تھی۔ اس کا باپ ہمیشہ سے اسے ایک پڑھی لکھی لڑکی بنانا چاہتا تھا۔ وہ ذہین بھی تھی۔ اس کا باپ چاہتا تھا وہ بھی اس کی طرح حکومت کے کسی ادارے میں کام کرے مگر اپنی ماں کی بیماری کی وجہ سے وہ اپنی تعلیم جاری نہ رکھ سکی۔ پڑھائی چھوڑ کر اس نے گھر داری شروع کر دی تھی۔

''مجھے معاف کرنا میری بچی۔ میری بیماری نے تم سے تمہارا خواب چھین لیا ہے۔'' وہ اس سے کہتی تھیں۔

''چھوڑیں بھی۔ اتنا ہی کافی ہے۔ آپ ایسے نہ سوچا کریں۔ مجھے خوشی ہوتی ہے آپ کی خدمت کر کے۔ آخر بچپن میں، میں نے بھی تو آپ سے بہت خدمتیں کروائی ہیں۔'' وہ ہر بار ہنس کر جواب دیا کرتی تھی۔ چھوٹی سی عمر میں ہی وہ بہت بڑی ہو چکی تھی۔

مہر کے لیے بھی اس دنیا میں اپنی ماں سے زیادہ اہم اور قریبی کوئی اور رشتہ نہیں تھا۔ اس کا باپ اب پچھلے کچھ سالوں سے واپس نہیں آیا تھا۔ شروع کے کچھ ماہ خطوط کا سلسلہ چلتا رہا مگر اب خط آنا بند ہو چکے تھے۔ مہر سمجھ چکی تھی کہ اس کا باپ شاید انہیں چھوڑ چکا ہے۔ وہ ان دونوں کو مزید اپنے ساتھ نہیں رکھ سکتا۔ شاید وہ ان کے مسائل سے تنگ آ گیا ہو۔

''مجھے لگتا ہے تمہارے باپ کو اب مجھ سے نفرت ہو گئی ہے۔ وہ ہم سے پیار نہیں کرتا، اسی لیے خط نہیں آتے۔'' اس کی ماں نے افسردگی سے کہا تھا۔ مہر نے اس وقت بھی بہانا کیا تھا تا کہ اس کی ماں کوئی صدمہ نہ لے۔

''نہیں......ایسا نہیں ہے۔ وہ مصروف ہوتے ہوں گے۔ آپ کو پتا ہی ہے ان کے کاموں کا۔ کہاں وقت ملتا ہوگا انہیں؟''اس نے دکھی دل سے کہا تھا۔اوپر سے وہ مسکرا رہی تھی۔ یہ مسکراہٹ کتنی بھاری تھی، یہ وہی جانتی تھی۔

''تم جھوٹ بول رہی ہو مہر۔ آخر ایسا بھی کیا کام ہوتا ہے جو ان کے پاس ہمیں خط لکھنے کا وقت نہیں ہے؟''مہر جانتی تھی کہ اس کا جھوٹ زیادہ عرصہ نہیں چلے گا۔

''آپ کیوں ایسا سوچتی ہیں؟''وہ کہتی۔

''کسی مرد کو بیمار عورت میں کب سے دلچسپی ہونے لگی؟اور ویسے بھی ہم دونوں کی شادی ان کی مرضی سے نہیں ہوئی تھی۔ یہ تمہارے دادا کی خواہش تھی ورنہ تمہارے باپ کو تو کوئی اور پسند تھی۔ مجھے لگتا ہے اب انہیں موقع مل گیا ہے مجھ سے جان چھڑوانے کا۔''وہ تلخی سے کہتی تھیں۔ مہر سمجھ سکتی تھی۔

''آپ بھی ناں۔ ریلیکس رہا کریں۔''اس کے پاس اور کوئی جواب نہیں تھا۔

اس کی ماں بھی سمجھ چکی تھی کہ مہر صرف ان کا دل رکھنے کے لیے ایسے کہتی ہے اور اس کا باپ واقعی انہیں پیٹھ دکھا کر چلا گیا ہے۔ وہ مہر کی حالت سے بھی واقف تھیں۔اسی لیے کچھ عرصے سے انہوں نے اپنے شوہر کے بارے میں بات کرنا چھوڑ دیا تھا۔ وہ اب پہلے کی طرح ان کے خط کا انتظار نہیں کرتی تھی۔ وہ مہر سے بھی خط کے بارے میں نہیں پوچھتی تھیں۔ان کے پاس بھی مہر کے علاوہ کوئی رشتہ نہیں تھا۔ایک بھائی تھا جو اب زندہ نہیں رہا تھا۔ مہر ہی ان کی کل کائنات تھی اور وہ مہر کی کل کائنات......

وہ دونوں ایک دوسرے کے بہت قریب تھیں۔ وہ دونوں ماں بیٹی کم اور سہیلیاں زیادہ لگتی تھیں۔ وہ ایک دوسرے سے اپنے دل کی ہر بات کر لیا کرتی تھیں۔ وہ تقریباً روزانہ ہی پاس بنے ایک پارک میں واک کرنے جایا کرتی تھیں۔ مہر گھر سے کھانا بنا کر لے جاتی اور وہ پھر شام کو ہی واپس آیا کرتی تھیں۔ یہ ان دونوں کا پسندیدہ مشغلہ تھا۔

''مہر...... میں نے سوچا ہے اب ہم والٹر کے بارے میں بات نہیں کیا کریں گے۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں۔ ہمیں کسی والٹر وغیرہ کی ضرورت نہیں ہے۔ جو ہوا، وہ ہم بھول جاتے ہیں۔ تم سوچو تمہارا باپ مر گیا۔ میں سوچتی ہوں کہ میری تو کبھی شادی ہی نہیں ہوئی تھی۔ میں ابھی تک کنواری ہوں۔''وہ ہنس کر اسے کہتیں۔

''تو میں کہاں سے آ گئی؟''مہر الٹا مذاق میں سوال کرتی۔

''میں اور تم آج سے سہیلیاں ہیں۔ تم میری سہیلی ہو۔ ماں بیٹی کا رشتہ تو بہت...... مطلب...... تم سمجھ رہی ہو ناں؟''اس کی ماں نے کہا۔ وہ دونوں اس وقت پارک میں ہی تھیں۔

''ہاں......میں سمجھ رہی ہوں۔ٹھیک ہے آج سے ہم سہیلیاں ہیں۔''اس نے مسکرا کر کہا۔پھر وہ دونوں ایسے ہی باتیں کرتی رہیں اور شام ڈھلتے ہی گھر واپس آ گئیں۔ان کی روٹین یہی تھی۔وہ صبح اٹھتیں......ناشتہ......صفائی......گھر کے کام......کچھ باہر کے کام......آرام......اخبار......شام کو کبھی کبھی پارک جانا......اور پھر رات کو سو جانا۔اس کے علاوہ وہ ہر اتوار چرچ بھی جایا کرتی تھیں۔

ایسے ہی ایک دن وہ چرچ سے واپس آ رہی تھیں کہ مہر نے دور سے ہی اپنے گھر کے باہر ڈاکیہ دیکھا۔اس کی ماں کا دھیان کہیں اور تھا۔یہ کچھ ہفتوں پہلے کی ہی بات ہے۔اپنی ماں کو اس نے تھوڑی دیر باتوں میں لگایا تاکہ ڈاکیہ وہاں سے چلا جائے۔پھر ایسا ہی ہوا۔ڈاکیہ لفافہ رکھ کر چلا گیا۔مہر پھر اپنی ماں کو لے کر گھر آ گئی۔ماں کو اندر بٹھا کر وہ بہانے سے باہر آئی اور وہ خط اٹھا لیا۔لفافہ چاک کر کے اس نے کاغذ باہر نکالا۔تہہ شدہ کاغذ کو کھول کر سیدھا کیا۔سیاہی پورے کاغذ پہ بکھری تھی۔وہ یہ لکھائی پہچانتی تھی۔یہ اس کے باپ کی لکھائی تھی۔اس خط کا اسے بہت دیر سے انتظار تھا۔اس نے خط پڑھنا شروع کیا۔

''مہر، میں ٹھیک ہوں۔تمہارے خط مجھے ملتے رہتے تھے پر میں ان کا جواب نہیں دے سکا۔ایسا نہیں تھا کہ میرے پاس جواب لکھنے کا وقت نہیں تھا، دراصل، میں نے خود ہی جواب نہیں دیا۔مجھے یہاں آئے کتنے سال ہو چکے ہیں اور شروع میں مجھے تم دونوں بہت یاد آتے تھے۔میں تم لوگوں سے پیار کرتا تھا مگر پھر......مجھ سے اپنی تنہائی برداشت نہ ہوئی اور میں نے اپنی کولیگ سے شادی کر لی۔میں جانتا ہوں یہ تمہاری ماں کے ساتھ بہت غلط ہے مگر......تم جانتی ہو، وہ بیمار ہے۔اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہے اور......میں اکیلا نہیں رہ سکتا۔ویسے بھی تمہاری ماں اور میری شادی زبردستی ہوئی تھی۔سچ پوچھو تو میں نے کبھی تمہاری ماں سے محبت کی ہی نہیں۔وہ بس میری ایک مجبوری تھی۔اب تو وہ بیمار ہے۔میں اس میں ذرا بھی دلچسپی نہیں رکھتا۔

میں جانتا ہوں تمہارے لیے یہ باتیں پڑھنا بہت مشکل ہے مگر تم خود سوچو۔میں کب تک ایک ایسی عورت کے ساتھ رہ سکتا ہوں جس میں مجھے دلچسپی نہیں ہے۔میں ایک بیمار عورت جو مرنے والی ہے، کے ساتھ کب تک گزارا کر سکتا ہوں؟تم میری جگہ ہوتی تو کیا کرتی؟خیر، مجھے اب اس سب سے فرق نہیں پڑتا۔تم اسے میری بے حسی سمجھو یا میری خود غرضی......مگر میں، اب تم دونوں کے ساتھ نہیں رہ سکتا۔آج یہ تمہیں میری طرف سے ملنے والا آخری خط ہے۔آج کے بعد میں تمہارے کسی خط کا جواب نہیں دوں گا۔تم اپنی ماں کو یہ بتا دو کہ میں مر چکا ہوں۔ہاں......

میں تم دونوں کے لیے مر چکا ہوں اور تم دونوں میرے لیے مر چکی ہو۔تم ویسے بھی کبھی میری بیٹی تھی ہی نہیں۔تم ہمیشہ اپنی ماں کی بیٹی ہی رہی ہو۔سچ پوچھو تو میں نے تمہیں بھی کبھی محبت سے نہیں دیکھا۔مجھے تم سے بھی کبھی انسیت ہی نہیں تھی۔مجھے شاید اس کے لیے تم سے معافی مانگنی چاہئے مگر میں بہت بے حس ہو گیا ہوں۔میں معافی نہیں مانگوں گا۔

آج کے بعد مجھے کوئی خط نہ لکھنا۔ ہم دونوں ایک دوسرے کے لیے مر چکے ہیں۔ میں یہاں خوش ہوں اور تم دونوں وہاں......تو چلو۔ آج سے یہ سب ختم کرتے ہیں۔ والٹر!"

خط ختم ہو چکا تھا اور مہر کا ضبط بھی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونے لگے تھے۔ وہ اپنے باپ کے لیے نہیں رو رہی تھی، وہ تو اپنی ماں کے لیے رو رہی تھی۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ وہ بے حس ہے۔ آخر اسے اس عورت کی وفاد کھائی نہ دی تھی۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ وہ خود غرض ہے۔ آخر اس نے مہر اور اپنی بیوی کے بارے میں بھی تو نہیں سوچا تھا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا کہ وہ ان دونوں کے لیے مر چکا ہے۔ جو انسان زندہ ہو کر بھی اپنے قریبی لوگوں کے ساتھ نہ ہو، وہ مردہ سے کم نہیں ہوتا۔

والٹر ان کے لیے مردہ ہو چکا تھا۔

مہر نے بے بسی سے اپنی نم آنکھیں صاف کیں اور گھر کے اندر چلی گئی۔ دیوار پہ لگے چھوٹے سے شیشے میں اپنا عکس دیکھا۔ اس کی آنکھیں لال تھیں۔ وہ فوراً کچن میں گئی اور کام میں مصروف ہو گئی۔ جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ کچھ ہی دیر میں وہ خود پہ قابو پا چکی تھی۔ اس کی آنکھوں کی لالی ختم ہو چکی تھی۔ منہ دھو کر وہ بالکل پہلے جیسی ہو گئی تھی۔ اب وہ اپنی ماں کا سامنا کر سکتی تھی۔ وہ کمرے میں آئی تو اس کی ماں اخبار پڑھ رہی تھی۔ مہر کچھ بھی نہ بولی اور کچھ چیزیں اٹھا کر باہر چلی گئی۔

ایسے ہی رات ہو گئی اور وہ سو گئی۔

اگلی صبح اس کے لیے بالکل نئی صبح تھی۔ پچھلی رات نے اس کے اندر کافی تبدیلیاں پیدا کر دی تھیں۔ اب وہ لوہے کی طرح مضبوط ہو چکی تھی۔

روزمرہ کے کاموں کے بعد وہ دن بھی ختم ہو گیا۔ اس کی ماں موت کے قریب سے قریب تر ہوتی جا رہی تھی۔ مہر نے اپنے رویے سے یہ ظاہر ہی نہیں کروایا تھا کہ وہ مزید کمزور ہو گئی ہیں۔ وہ ان کی بیماری کو زیرِ بحث لاتی ہی نہیں تھیں۔ ان دونوں کے درمیان اب والٹر کا ذکر بھی نہیں ہوتا تھا۔

ایسے ہی کئی دن طلوع ہوئے اور کئی غروب......

پھر ایک دن وہ چرچ جانے کے لیے تیار کھڑی تھیں کہ اس کی ماں نے کہا۔

"مہر، تم شادی کر لو۔ مجھے لگتا ہے میں جلد ہی مرنے والی ہوں۔ میرے بعد تمہارا کیا ہو گا؟ تم اکیلی رہ جاؤ گی۔ اسی لیے میں تمہاری شادی کروانا چاہتی ہوں۔" وہ اداس مسکراہٹ سے بولی تھیں۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو اولڈ لیڈی۔ میں اتنی آسانی سے تمہیں جانے نہیں دوں گی۔ ابھی تو تم نے شادی بھی کرنی ہے۔" مہر نے ہمیشہ کی طرح بات کو مذاق میں ٹال دیا تھا۔ اندر کی کیفیت کچھ اور تھی۔

''مذاق نہیں کرو۔ میں سنجیدہ ہوں۔ میں چاہتی ہوں تمہاری شادی کر دوں تاکہ آرام سے مر سکوں۔'' بوڑھی عورت نے پھر کہا۔ مہر نے بمشکل آنسو نگلے۔

''مرنے کے علاوہ دنیا میں اور بھی بہت سے کام ہیں۔'' وہ بولی۔

''مہر......'' اس کی ماں نے کندھوں سے اسے تھاما۔ ''میری طرف دیکھو۔ میں یہ بات جانتی ہوں کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ میں دن، رات موت کے قریب ہوتی جا رہی ہوں۔ دوائیاں مجھ پہ کچھ اثر نہیں کرتیں۔ میری حالت روز بروز خراب ہو رہی ہے۔ میں اس دنیا سے جا رہی ہوں۔ میرا سفر ختم ہونے والا ہے۔ مجھے اس سب سے زیادہ تمہاری فکر ہے مہر۔ میرے بعد تم کہاں جاؤ گی؟ تم ابھی انیس سال کی ہو۔ تمہاری زندگی اکیلے نہیں گزر سکتی۔ میں ایسا نہیں چاہتی مہر۔ پلیز میری بات مان جاؤ اور شادی کر لو۔ میرے لیے ہی سہی......'' ان کے انداز میں التجا تھی۔ مہر اپنے آنسو روک نہ سکی۔ اس نے نظریں جھکائے اثبات میں سر ہلایا۔ بوڑھی عورت کی آنکھوں میں صرف اداسی تھی۔ وہ رو نہیں رہی تھیں۔ وہ صرف مہر کی فکر کر رہی تھیں۔ وہ جانتی تھیں وہ ٹھیک نہیں ہو سکتیں۔ اپنے مرنے اسے انہیں فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ موت سے لڑ نہیں سکتی تھیں۔ کوئی بھی نہیں لڑ سکتا۔ انہوں نے مہر کا ماتھا چوما۔ مہر کے آنسوؤں کی رفتار تیز ہو چکی تھی۔ بوڑھی عورت نے اس کے آنسو صاف کیے۔

''رومت۔ میرے لیے اس کے علاوہ کوئی علاج نہیں ہے۔'' انہوں نے کہا اور مہر نے اداس آنکھوں سے اپنی ماں کو دیکھا۔

''آپ بہت بہادر ہیں۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔ بوڑھی عورت مسکرا دی۔

''مرنا سب نے ہی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ سب نے مرنا ہے۔ کسی کو بھی اصل وقت نہیں معلوم۔ میں اس معاملے میں خوش نصیب ہوں کہ کم از کم مجھے یہ تو پتا ہے کہ میرے پاس وقت کم ہے۔'' وہ ہنستے ہوئے بولیں۔ مہر بھی ہنس دی۔

''اور، اس کے علاوہ میرے پاس اور کوئی راستہ بھی تو نہیں ہے۔'' انہوں نے کندھے اچکائے۔

''اچھا چلیں بھی اب، دیر ہو رہی ہے۔'' اس نے بات ٹالی اور ماں کا ہاتھ تھامتی گھر سے باہر نکل آئی۔

''دعا کرو، آج ہی کوئی لڑکا تمہیں مل جائے تو میں تمہاری شادی کر دوں۔'' ان کی بات پہ مہر نے گھور کر انہیں دیکھا۔

''اب یہ زیادہ ہو رہا ہے۔'' وہ خفگی سے بولی۔ اس کی ماں نے قہقہہ لگایا۔

''اچھا، اچھا۔ لیکن اگر کوئی لڑکا ملا تو مجھے منع مت کرنا۔ ویسے میں نے تمہارے منع کرنے سے منع ہونا تو ہے نہیں۔ تم جانتی ہو نا کہ انسان جوانی میں کتنا ضدی ہو جاتا ہے۔'' انہوں نے ہنستے ہوئے کہا۔ مہر بھی ہنس دی۔

اتنے میں ایک بگھی بان ان دونوں کی طرف آیا۔ مہر نے اسے پہاڑی والے چرچ جانے کا کہا تو چند سکوں کے عوض وہ وہاں جانے کے لیے راضی ہو گیا۔ وہ دونوں بگھی پہ سوار ہوئیں اور بگھی بان نے بگھی آگے بڑھا دی۔

"یہ ایک دم میری شادی کا خیال کیسے آیا؟" بگھی پہاڑ پہ چڑھ چکی تھی جب مہر نے پوچھا۔

"میں تو کافی دنوں سے ہی سوچ رہی تھی۔ بس کہا آج ہے۔" انہوں نے جواب دیا۔ کچے راستے کے ارد گرد لگے سبز، قد آدم درختوں کے پتے، ہوا کے زور پہ جھول رہے تھے۔ سوکھے پتے راستے پہ گرے تھے۔ گھوڑے ان پتوں پہ پیر رکھتے تو جیسے کچھ ٹوٹنے کی آواز آتی۔

"اچھا، پر زیادہ نہ سوچا کریں۔" مہر نے کہا اور دوسری طرف رخ موڑ کر اپنے آنسوؤں کو باہر آنے سے روکا۔ اس کے بعد وہ دونوں خاموش رہیں۔ اتنے میں پہاڑی پہ بنی بڑی سی عمارت آ گئی۔ صلیب کا بڑا سا نشان سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ وہ دونوں بگھی سے اتریں اور بگھی بان کو چند سکے تھمائے۔ مہر نے اپنی ماں کا ایک ہاتھ تھام رکھا تھا۔ ان کی جلد سوکھ چکی تھی، بالکل سوکھے پتوں کی مانند......

مہر نے اس بات کو بھی اپنے اندر ہی رکھا اور انہیں لیے آگے بڑھ گئی۔ ان کے دوسرے ہاتھ میں چھڑی تھی جو انہیں چلنے میں مدد دیتی تھی۔ چرچ کے باہر اور بھی بہت سی بگھیاں کھڑی تھیں۔ بہت سے لوگ بگھیوں سے اتر رہے تھے۔ مہر نے ایک نظر سارے میں دیکھا اور اسی دوران اسے ایک کنواں بھی نظر آیا پر اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا۔

چرچ کا بڑا سا دروازہ پہلے سے ہی کھلا تھا۔ ہال میں بھی لوگ موجود تھے۔ کچھ ننز بھی ادھر ادھر کھڑی تھیں۔ وہ ہر آنے والے کو "خوش آمدید" کہہ رہی تھیں۔ مہر اور اس کی ماں قریب آئے تو کالے رنگ کا پیروں تک آتا فراک پہنے اور سر کے اوپر بھی کالے رنگ کا حجاب (جس میں سے ماتھے پہ لگی سفید پٹی، صاف دکھائی دیتی تھی، اوڑھے) ایک نن نے انہیں خوش آمدید کہا۔ دونوں نے مسکرا کر شکریہ ادا کیا اور اندر چلی گئی۔ اندر کمرے میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ دائیں اور بائیں طرف بنے لکڑی کے بینچوں پہ لوگ بیٹھے تھے۔ دونوں طرف لگے بینچوں کے درمیان راہداری تھی، جس پہ سرخ قالین بچھا تھا۔ یہ راہداری سیدھا اسٹیج تک جاتی تھی، جہاں ایک آدمی کالا لباس پہنے کھڑا تھا۔ ہاتھ میں ایک کتاب تھام رکھی تھی اور گلے میں لمبی مالا پہن رکھی تھی، جس پہ صلیب کا نشان لگا تھا۔ مہر اور اس کی ماں خاموشی سے ایک طرف آ کر بیٹھ گئیں۔ کچھ دیر خاموشی رہی اور پھر اس کالے لباس والے آدمی نے کتاب کھول کر پڑھنا شروع کر دیا تھا۔ بینچوں پہ بیٹھے لوگ ادب سے کھڑے ہو گئے۔ پادری کچھ پڑھ رہا تھا۔

کافی دیر کتاب پڑھنے کے بعد اس نے سب کو دعا کا کہا۔ سب واپس اپنی نشستوں پہ بیٹھ گئے اور دعائیں کرنے لگے۔ مہر بھی دعا کر رہی تھی۔ بالوں کو ایک طرف سمیٹ کر، گھٹنوں تک آتا فراک پہنے وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ مہر نے گردن کے گرد اسٹالر بھی لپیٹ رکھا تھا۔ دعا ختم ہوئی اور اتنے میں شام ہو گئی۔ مہر اپنی بوڑھی ماں کو لیے کمرے سے باہر نکلی۔ باہر نکلتے ہوئے اس نے ایک نظر کمرے کو دیکھا اور مسکرائی۔

''چلو بھی ورنہ بارش شروع ہو جائے گی۔'' بوڑھی عورت نے کپکپاتی آواز میں کہا۔ مہر نے دیکھا کہ اس کی ماں اسے قدرے خفگی سے دیکھ رہی ہے۔

ذرا جھینپ کر وہ آگے بڑھنے لگی۔

''مجھے لگتا ہے آج بارش نہیں ہو گی۔'' مہر نے کہا۔

''تمہیں آسمان سے کوئی خط تو نہیں ملا؟'' بڑھیا نے خفگی سے کہا۔ مہر ہلکا سا قہقہہ لگا کر ہنس دی۔

''نہیں اولڈ لیڈی...... میں بس اندازہ لگا رہی ہوں۔''

''تم بعد میں لگانا اندازے۔ ابھی باہر جاؤ اور کسی بگھی کو روکو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمیں بگھی نہ ملے۔ اب میں اس جوانی میں گھڑ سواری نہیں کر سکتی۔'' بڑھیا کہنے کے بعد ہنس دی۔ مہر بھی ہنس دی۔

''ہاں میں دیکھتی ہوں۔ اس جوانی کو سنبھال کر ہی رکھو اولڈ لیڈی۔ ابھی آگے بھی بہت کام کرنے ہیں۔ کل میں کوئی لڑکا بھی دیکھتی ہوں تاکہ یہ جوانی ضائع ہونے سے بچ جائے۔'' وہ ہنس دی۔ بوڑھی عورت نے بھی کانپتا ہوا قہقہہ لگایا۔

وہ دونوں اس چرچ کے ہال میں ساتھ ساتھ چل رہی تھیں۔ قہقہوں کی آواز آتی تو بہت سے لوگ انہیں مڑ کر دیکھتے۔ ایک جوان لڑکی اپنی بوڑھی ماں کے ساتھ کتنی خوش تھی۔ دیکھنے والوں کو ان کا آپسی تعلق پہلی نظر میں ہی بھا رہا تھا۔

''لڑکا بعد میں دیکھنا۔ ابھی کسی بگھی کو روکو۔ اب جاؤ بھی۔'' بوڑھی عورت نے اس بار ذرا زور سے کہا۔ مہر نے انہیں قریب ایک بینچ پہ بٹھایا اور خود باہر چلی گئی۔ باہر اسے ایک لڑکا ملا۔ اس نے لڑکے سے اپنے اور اپنی ماں کے ساتھ چلنے کا کہا تو وہ مان گیا۔ مہر اندر آ گئی اور اپنی ماں کو لیے باہر آ گئی۔ وہ تینوں بگھی میں سوار ہوئے اور ان کے درمیان بات چیت بھی ہوئی۔ بگھی پہاڑ سے اتر کر شہر میں آ گئی۔

''یہاں سے دائیں طرف لے لو۔'' گریسن نے بگھی بان سے کہا۔ آواز قدرے بلند تھی۔

''اوکے بائے۔'' ہاتھ ہلا کر کہتا وہ آگے بڑھا۔ بگھی بان کو چند سکے دیے اور اپنے گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ مہر اور اس کی ماں نے اسے جاتے دیکھا۔

''ہم نے اگلی گلی میں اترنا ہے۔'' مہر آگے ہو کر اونچی آواز میں بولی۔ بگھی بان نے بگھی آگے بڑھا دی۔ وہ ان کی مطلوبہ جگہ پہ لے آیا تھا۔ مہر پہلے بگھی سے اتری اور پھر بوڑھی ماں کو اترنے میں مدد دی۔ اس کے بعد وہ بگھی بان کی طرف گھومی اور پرس میں سے چند سکے نکال کر آگے کیے۔

''وہ صاحب پیسے دے چکے ہیں۔'' اس نے کہا۔

مہر حیران رہ گئی۔اسے قدرے شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ بھی کہے بغیر اس نے سکے واپس رکھے اور اپنی ماں کا ہاتھ تھام کر گھر کی طرف قدم بڑھا دیے۔ وہ آہستہ آہستہ چل رہی تھیں۔ مہر ابھی تک گریسن کی اس حرکت کے بارے میں سوچ رہی تھی۔اسے حیرانی اور شرمندگی، دونوں احساسات نے آن گھیرا تھا۔

گھر کا دروازہ کھول کر وہ اندر چلی گئیں۔

☆☆☆☆☆

''آپ مجھ سے ناراض ہیں؟'' گھر کے اندر آکر مہر نے اپنی ماں سے پوچھا۔ وہ کچھ کہے بغیر ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں۔ مہر کو ان کے انداز میں ناراضگی شفاف پانی کی طرح دکھائی دی تھی۔ وہ پیچھے پیچھے کمرے میں آگئی۔

''تمہیں وہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا، خدا ناراض ہو گیا تو؟'' خفگی سے جواب آیا۔ مہر ان کے سامنے ہی بیڈ پر بیٹھ گئی۔

''میں نے جو محسوس کیا وہ کہہ دیا۔'' وہ جیسے اپنی بات کو رد نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مہر کے سامنے بیٹھی بوڑھی عورت نے غصے سے اسے دیکھا۔

''مہر پلیز خاموش ہو جاؤ۔ پلیز، میرے سامنے یہ خرافات نہ نکالو اپنے منہ سے۔'' انہوں نے اب ذرا غصے سے کہا۔ مہر نے بے بسی سے پلکیں جھکائیں۔ وہ شاید اب مزید بحث نہیں کرنا چاہتی تھی۔ چپ چاپ اٹھ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ بوڑھی عورت نے اسے دیکھا تک نہیں تھا۔

کچن میں آکر اس نے بالوں کو جوڑے میں قید کیا۔ گردن میں لپٹا اسٹالر اس نے نکال کر پاس رکھی کرسی پہ رکھ دیا تھا۔ سنک میں پڑے برتنوں کو دیکھا اور پھر گہری سانس خارج کرتی وہ سنک تک آئی، نل کھولا تو پانی کی آبشار سیدھی سمت میں بہنے لگی۔ سنک سے ٹکرا کر کچھ چھینٹے مہر کو اپنے اوپر پڑتے محسوس ہوئے تھے۔ خاموشی سے اس نے برتن دھونا شروع کر دیئے تھے۔

''مجھے یقین نہیں آتا اس سب پر۔ میرے دل میں شک پیدا ہو گیا ہے اپنے مذہب کو لے کر۔ میرا اب چرچ جانے کو دل نہیں کرتا۔ میں صرف مام کی وجہ سے چرچ جاتی ہوں۔ میرا اعتبار ٹوٹ گیا ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ مذہب وہ نہیں ہے جو یہ تھا۔ یوں لگتا ہے اس میں ملاوٹ کی گئی ہے۔ بھلا تین تین خدا بھی ہو سکتے ہیں؟ مجھے ہمیشہ سے یہ عجیب لگتا ہے۔ کاش مجھے کوئی ایسی بات پتا لگے جو میرے دل کو مطمئن کر دے۔''

مہر کا دماغ کہیں اور تھا۔ وہ بے خیالی سے برتن دھو رہی تھی۔ برتنوں پہ لگا صابن پانی لگنے سے نیچے بہہ رہا تھا۔

''میری دعائیں قبول نہیں ہوتیں۔ میری ماں کتنے عرصے سے اس بیماری میں مبتلا ہے۔ وہ اور میں ان گنت دعائیں مانگ چکے ہیں۔ ہم ہر ہفتے چرچ جاتے ہیں، جیسا کہ ہمارے بڑوں نے ہمیں کہا تھا کہ ہر ہفتے چرچ جانا چاہئے پر...... میں ہمیشہ سوچتی تھی کہ خدا کو صرف ہفتے میں ایک بار ہی کیوں یاد کیا جائے؟ خدا کو تو روز یاد کرنا چاہئے۔ ہر روز، ہر وقت ہی۔ عجیب بات ہے۔'' ذہن کے خانے اس

ایک بات کو ہی سوچ رہے تھے۔آس پاس جیسے کسی اور چیز کے ہونے کا احساس کھو سا گیا تھا۔وہ اسی بے خیالی سے برتن دھو رہی تھی کہ اچانک ہی وہ چیخ اٹھی۔اس نے فوراً نیچے دیکھا۔ذہن اب آس پاس کی ہر چیز کو محسوس کر سکتا تھا۔اپنے ہاتھ پہ اسے لال رنگ نظر آیا۔لال رنگ ہاتھ سے نکلتا سنک میں بہتا گیا۔چھری بے دھیانی سے اس کے ہاتھ پہ لگ گئی تھی،مہر نے فوراً اپنا ہاتھ پانی کے نیچے کیا۔خون اور بے رنگ پانی آپس میں گھلتا ہوا نیچے گرتا گیا۔مہر کی چیخ کی آواز سن کر اس کی ماں ہاتھ میں چھڑی پکڑے کچن میں آ گئی تھی۔

''کیا ہوا تمہیں؟''ساری خفت،غصہ،تلخی غائب ہو چکی تھی۔سامنے صرف ایک ماں تھی۔مہر نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔بوڑھی عورت چہرے پہ فکر مندی لیے اس تک آ رہی تھی۔اس کا ہاتھ ہنوز پانی کے نیچے تھا۔عورت نے فوراً اپنی چھڑی ایک طرف اٹکائی اور ایک خانے میں سے کپڑا نکالا اور مہر کا ہاتھ پکڑ کر اسکے زخم پہ کپڑا باندھنے لگی۔مہر ایک ٹک اسے دیکھ رہی تھی۔خون کے چند قطرے کپڑے کے اندر ہی جذب ہو گئے تھے۔آخری گرہ لگی تو مہر نے ہلکی سی کراہ بھری۔

''دھیان کہاں ہوتا ہے تمہارا؟''کپڑا صحیح سے باندھنے کے بعد انہوں نے پوچھا۔مہر خاموشی سے اپنی ماں کے جھریوں زدہ چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے۔''عورت نے خفگی سے کہا تو مہر کھکھلا کر ہنس دی۔خون بہنا رک چکا تھا،پر نل سے ہنوز پانی بہہ رہا تھا۔

''دو منٹ پہلے تو آپ مجھ سے ناراض تھیں اور اب؟''اس نے ہنستے ہوئے کہا۔اس کی ماں نے اسے گھوری سے نوازا اور چھڑی پکڑتی غصے سے باہر چلی گئیں۔مہر پھر سے ہنس دی۔

یہ ہوتی ہے ماں،اپنی انا،اپنا دکھ،تکلیف،غصہ،سب کچھ بھول کر اولاد کی ذرا سی تکلیف پہ اس کے لیے قربان ہونے کو تیار ہوتی ہے۔ماں واقعی جنت ہے،دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔مہر نے کرسی پہ رکھا سٹالر اٹھایا اور ہنستی ہوئی کچن سے باہر چلی گئی۔جانے سے پہلے وہ پانی کا نل بند کرنا نہیں بھولی تھی۔

☆☆☆☆☆

رات نے دن کو شکست دی تو ہر طرف اندھیرے نے اپنے قدم جما لیے۔آسمان نے سورج کو نگل لیا تھا۔ایسے میں چھوٹے سے گھر کی کھڑکی کے اندر روشنی دکھائی دے رہی تھی۔دفعتاً کوئی ہیولہ سا کھڑکی کے سامنے آیا تو باہر سے وہ کوئی بھوت لگ رہا تھا۔کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد اس نے چلنا شروع کر دیا۔وہ دائیں طرف جاتا تو کھڑکی کے سامنے صرف روشنی رہ جاتی پھر وہ نمودار ہوتا تو سایہ نظر آنے لگتا۔وہ پھر بائیں طرف گیا تو کھڑکی میں پھر سے صرف روشنی نظر آتی۔ایسا متعدد بار ہوا تھا۔

کئی چکر لگا کر وہ دوبارہ کھڑکی کے سامنے کھڑا ہوگیا۔ روشنی اب اس کے ارد گرد سے نظر آرہی تھی۔ وہ کھڑکی کی طرف آرہا تھا۔ قریب آکر اس نے کھڑکی وا کردی۔ ہیولہ اب واضح ہوگیا تھا۔ ذرا قریب سے دیکھا تو بالوں سے آزاد چہرہ، سفید رنگت، بھوری آنکھیں اور ہم رنگ بالوں والا لڑکا کھڑکی سے باہر درختوں کو دیکھ رہا تھا۔ ٹھنڈی ہوا کو اس نے اپنے اندر اتارا تو چہرے پر ایک مسکراہٹ آگئی۔ فطرت کو اپنانے سے ہی انسان کو اطمینان ملتا ہے۔

کچھ دیر یونہی کھڑے رہنے کے بعد وہ واپس پلٹا اور سامنے رکھی کرسی پہ بیٹھ گیا۔ ہاتھ بڑھا کر اس نے پاس رکھی کتاب اٹھائی اور درمیان سے کھول کر پڑھنا شروع کردی۔ ذرا مدھم روشنی میں بھی وہ آسانی سے کتاب پڑھ رہا تھا۔ اس نے ابھی دوسرا صفحہ پلٹا ہی تھا کہ دروازے پہ دستک ہوئی۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا، جیسے داخلی دروازہ سامنے ہو پر ایسا نہیں تھا۔ کتاب کا صفحہ اوپر سے ہلکا سا موڑتے ہوئے اس نے کتاب بند کی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

دروازے کے پار سے دستک دوبارہ دی گئی۔ ساتھ ساتھ دو لوگوں کے ہنسنے کی ہلکی سی آواز بھی آرہی تھی۔

''کون؟'' اس نے پوچھا۔

''دروازہ کھولو، ہمیں گریسن سے ملنا ہے۔'' ایک عورت نے کہا۔ اندر کھڑے گریسن نے آواز کو پہچاننا چاہا مگر یہ آواز اس کے لیے نئی تھی۔ گریسن نے ہچکچاتے ہوئے دروازہ کھولا اور سامنے کھڑی عورت اور مرد کو دیکھ کر پہلے وہ حیران ہوا اور اگلے ہی لمحے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ آگئی۔

''میرے بھائی۔'' اس آدمی نے خوشی سے کہا اور گریسن کے گلے لگ گیا۔ گریسن نے بھی مسکراتے ہوئے اسے گلے سے لگایا۔ تھوڑی دیر وہ یونہی کھڑے رہے اور آنسو دونوں کی آنکھوں سے گر کر ان کے کندھوں میں جذب ہوگئے۔

''اوکے، اوکے۔ فیملی ڈرامہ بند کریں اب آپ دونوں۔'' سر پر ترچھی کر کے ہیٹ پہنے، گھٹنوں تک آتا فراک اور نیچے کالے جوتے پہنے اس عورت نے کہا۔ دونوں اس کی بات پر مسکراتے ہوئے الگ ہوئے۔

''ہم کافی سالوں بعد مل رہے ہیں۔'' آنسو صاف کرتے ہوئے اس آدمی نے کہا۔ گریسن نے بھی خوشی کے آنسو پونچھے۔

''اندر آؤ ناں۔'' گریسن نے کہا اور اندر چلا گیا۔ دونوں مہمان بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر چلے گئے۔

وہ ایک چھوٹا سا گھر تھا۔ دروازے کے سامنے ایک لمبی راہداری تھی جس کے صرف ایک طرف ہی تین کمرے بنے تھے۔ آخر والا کمرہ کچن کے طور پر استعمال ہوتا تھا۔ راہداری میں ایک طرف پتلے سے زینے بنے تھے جو بالائی منزل پہ جا کر ختم ہو جاتے تھے۔ گریسن کے ساتھ وہ دونوں پہلے کمرے میں چلے گئے۔ کمرہ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ ایک بیڈ تھا جس کے اوپر سفید رنگ کی چادر بچھی ہوئی تھی۔ دروازے والی دیوار کے آگے دو کرسیاں اور ایک چھوٹا سا صوفہ رکھا تھا۔ زرد روشنی نے کمرے کو اندھیرے کی قید سے آزاد

کر دیا تھا۔ دونوں مہمان کرسیوں پہ براجمان ہو گئے تھے۔ گریسن صوفے پہ بیٹھ گیا تھا۔ کھلی کھڑکی سے ہوا اندر آ رہی تھی جو اس منظر کو اپنے اندر محفوظ کر رہی تھی۔

''یہ جولیہ ہے، میری بیوی۔'' گریسن کی سوالیہ نظروں کے جواب میں اس کے بھائی نے کہا۔ ''تم دونوں پہلی بار مل رہے ہو۔''

''آپ سے مل کر اچھا لگا۔ میرا نام گریسن ہے۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔ لڑکی نے سر پہ پہنی ہیٹ اتار کر ایک طرف رکھ دی تھی۔

''مجھے بھی اچھا لگا۔'' اس نے بھی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ...... میں آپ کے لیے کچھ لے کر آتا ہوں۔'' گریسن کو جیسے اب یاد آیا تھا۔ وہ فوراً اٹھا اور کچن میں چلا گیا۔ پیچھے وہ دونوں ہنس پڑے۔

کچن میں آ کر اس نے مشروب تیار کیا۔ تین گلاس اور ایک جگ ٹرے میں رکھے اور واپس کمرے میں آیا۔ اس کا بھائی وہاں نہیں تھا۔ جولیہ اکیلی بیٹھی اطراف کا جائزہ لے رہی تھی۔

''بھائی کہاں گئے؟'' ٹرے چھوٹے میز پہ رکھتے ہوئے گریسن نے پوچھا۔

''ہمارا سامان باہر ہی رہ گیا تھا۔ وہی لینے گئے ہیں۔'' جولیہ نے کہا۔ گریسن نے سر ہلایا اور جگ سے مشروب گلاس میں انڈیل کر جولیہ کی طرف بڑھایا۔ جسے ان نے شکریہ کہتے ہوئے تھام لیا۔ اس کے بعد گریسن باہر چلا گیا۔

''بھائی۔'' اس نے باہر آ کر آواز دی۔

''میں باہر ہوں گریسن۔ آ جاؤ۔'' جواب سن کر گریسن باہر چلا گیا۔ اس کے بھائی رابن کے دونوں ہاتھوں میں بیگ تھے۔ گریسن نے آگے بڑھ کر ایک بیگ پکڑ لیا اور دونوں اندر آ گئے۔ اسی کمرے میں واپس وہ اپنی نشستیں سنبھالے بیٹھے تھے۔

''تو تم نے شادی نہیں کی گریسن؟'' رابن کے سوال پہ گریسن نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کب تک اکیلے رہنے کا ارادہ ہے؟'' رابن کو جیسے غصہ آ گیا تھا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے کندھے اچکائے۔ جولیہ اس دوران خاموش رہی۔

''گریسن، دیکھو اب میں تمہیں اکیلے نہیں رہنے دوں گا۔ اس بار تمہاری شادی کروا کے ہی جاؤں گا۔ میں اب کوئی بہانا نہیں سنوں گا۔'' اس نے سمجھاتے ہوئے کہا۔ گریسن نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر رابن نے اسے چپ کروا دیا۔

''ہر انسان کو اپنی تنہائی دور کرنے کے لیے کسی دوسرے انسان کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ فطری عمل ہے۔ انسان زیادہ دیر اکیلا نہیں رہ سکتا۔ تنہائی انسان کو اندر سے کھاتی رہتی ہے۔ اس میں سکون وقتی تو ہو سکتا ہے پر دائمی نہیں۔ انسان کی فطرت ہی ایسی

ہے۔اسے چاہے انسان کی خود غرضی ہی سمجھو مگر یہ ایک حقیقت ہے۔''رابن نے آرام سے اسے سمجھایا۔ گریسن کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد انہوں نے مل کر کھانا کھایا پھر اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے۔

تنہا گریسن نے اپنی ادھوری کتاب مکمل کرنے کے لیے کتاب اٹھالی۔ گریسن نے کتاب کے چند صفحات پڑھے اور پھر ایک صفحہ اوپر سے موڑ کر کتاب بند کر دی۔ وہ چل کر اپنے بستر تک آیا۔ روشنی بجھادی اور سونے کے لیے لیٹ گیا۔

فورکس کے علاقے میں سب سونے کے لیے لیٹ چکے تھے۔ گریسن کے ساتھ والے کمرے میں جولیہ اور رابن بھی نیند کی وادی میں قدم رکھ چکے تھے۔اسی علاقے میں رہتی مہر اور اس کی ماں بھی نیند کی آغوش میں جا چکی تھیں۔

☆☆☆☆☆

رات نے اپنی کالی چادر بچھا رکھی تھی۔جب تازہ تازہ رات ہوئی تھی تب آسمان ستاروں سے بھرا ہوا تھا۔ چھوٹے چھوٹے سفید موتی کالی چادر پہ بکھرے آنکھوں کو خیرہ کر رہے تھے۔رات گہری ہوئی تو سرمئی بادلوں نے آسمان کو آلودہ کر دیا تھا۔تارے بادلوں کی اوٹ میں چھپ گئے۔آسمان کی ایک طرف سرمئی بادلوں کا مجمع لگا تھا۔ایک حصہ بالکل صاف تھا،یوں جیسے آج بارش صرف فورکس پہ ہی برسے گی اور پھر ایسا ہی ہوا۔بادلوں کے ٹکرانے کا عمل جاری ہوا تو پانی کے ٹھنڈے ٹھنڈے قطرے زمین پر گرنے لگے۔آہستہ آہستہ رفتار میں تیزی آگئی۔بادلوں نے سارے علاقے کو گیلا کر دیا تھا۔بارش کافی دیر تک برستی رہی یہاں تک کہ آسمان پہ نیلگوں روشنی نظر آنے لگی،پھر آہستہ آہستہ سورج کی روشنی نے رات کے قدم اکھڑ دیئے۔جیسے ہی سورج نے اپنا دیدار کروایا۔سرمئی بادل برسنا بھول کر خاموشی سے آسمان سے کھسک گئے اور آسمان صاف ہو گیا۔آسمان پہ اب دن کی نیلی چادر بچھی تھی۔

مہر کے گھر کے لان میں لگے پودوں پر شبنم کے قطرے دھوپ میں چمک رہے تھے۔ چھوٹے سے باغ کی ہری گھاس نے بھی شبنم کے قطروں کو اپنے اوپر چمکنے کے لیے چھوڑ رکھا تھا۔دھوپ پڑنے سے یہ منظر آنکھوں میں تازگی گھول دیتا تھا۔

گھر کا دروازہ کھلا تو پیروں تک آتا جامنی فراک پہنے،بالوں کو اوپر سے باندھ کر کمر پہ چھوڑے،آنکھوں اور چہرے پہ تازگی بھری مسکراہٹ لیے مہر اندر سے باہر آئی اور ایک نظر سارے ماحول کو دیکھا۔

''گڈ مارننگ فورکس۔''اس نے کہا اور چلتی چلتی باغ میں آگئی۔گیلی گھاس پہ وہ قدم رکھتی تو چند قطرے اچھل کر اس کے پاؤں پہ بھی پڑتے،مہر نے فوراً اپنا فراک اوپر کیا۔وہ رات ہونے والی بارش سے بے خبر تھی۔ باغ میں لگے گلاب کے پھولوں میں سے اس نے ایک گلاب توڑا۔شبنم کے قطرے اچھلتے ہوئے ادھر ادھر گر گئے۔مہر نے گلاب کی خوشبو سونگھی۔وہ گلاب پکڑے واپس مڑی اور گھر کے اندر چلی گئی۔دروازہ اس نے کھلا ہی چھوڑ دیا تھا۔کمرے میں رکھی کرسی پہ بیٹھی اس کی بوڑھی ماں اخبار کا مطالعہ کر رہی تھی۔مہر نے آتے ہی گلاب ان کے سامنے رکھ دیا۔

بوڑھی عورت نے نظر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ''یہ کیا ہے؟''

مہر نے حیرت سے انہیں دیکھا۔ ''یہ چڑیا ہے۔''

''نظر نہیں آتا، یہ گلاب کا پھول ہے؟'' بوڑھی عورت نے حیرت سے کہا جیسے مہر کی آنکھوں پہ انہیں واقعی شک ہوا ہو۔

''جب پتا ہے اولڈ لیڈی تو پوچھا کیوں؟ ظاہر ہے یہ گلاب ہے۔'' مہر نے کہا اور بوڑھی عورت نے اسے گھورا۔

''نظر آتا ہے مجھے۔ میرا مطلب تھا کہ گلاب کیوں دے رہی ہو تم مجھے؟'' انہوں نے اپنی بات سمجھائی۔

مہر نے اپنے دونوں ہاتھ پہلو میں اٹکائے۔ ''تو کیا اب آپ کو گلاب دینے کے لیے کوئی وجہ ہونی چاہئے؟''

عورت نے اخبار تہہ کر کے دوسری کرسی پر رکھا۔ ''نہیں، وجہ تو نہیں چاہئے۔''

''تو بس پھر اسے بالوں میں لگالیں۔'' مہر آگے بڑھی اور گلاب کو بوڑھی عورت کے سفید بالوں کے جوڑے میں اٹکا دیا۔

''کتنی پیاری لگ رہی ہو تم۔'' وہ پھر سے سہیلیاں بن گئی تھیں۔ بوڑھی عورت مسکرادی۔

''اچھا، بتاؤ پھر کیا کوئی لڑکا دیکھنے آرہا ہے مجھے؟'' ان کا انداز رازدارانہ تھا۔ مہر کھلکھلا کر ہنس دی۔ مہر کی پیاری سی مسکراہٹ کو دیکھ کر اس کی ماں کا رواں رواں خوش ہو گیا تھا۔ سارا جہاں چہک اٹھا تھا۔

''آجائے گا لڑکا بھی۔ ابھی تو میں ہی دیکھنے آئی ہوں۔'' اس نے ہنستے ہوئے کہا۔

''تم میری ساس سے کم بھی نہیں ہو ویسے۔'' عورت نے مصنوعی ناراضگی سے کہا تو مہر پھر سے کھلکھلا اٹھی۔ مہر کو اس طرح ہنستے دیکھ کر انہیں بہت خوشی ہوئی تھی۔ وہ چاہتی تھیں کہ مہر ہمیشہ اسی طرح ہنستی رہے۔ انہوں نے دل ہی دل میں یہ دعا کی۔ وہ اپنی بیماری بھلائے مہر کی ہنسی میں کھو گئی تھیں۔

''اچھا میں ناشتہ لاتی ہوں۔'' مہر نے ہنسی روکی اور باہر چلی گئی۔ کمرے سے نکلتے ہوئے وہ ایک بار پھر کھلکھلا اٹھی تھی۔

بوڑھی عورت نے مسکراتے ہوئے اسے دعا دی۔ ان کی آنکھوں میں نمی تھی۔ وہ بیمار تھیں۔ ان کے پاس شاید زیادہ وقت نہیں تھا۔ وہ مہر کو یوں اکیلا نہیں چھوڑ سکتی تھیں۔ انہیں مہر کی سب سے زیادہ فکر تھی۔ اس دنیا میں ان کا اور کوئی نہیں تھا۔ وہ جلد سے جلد اس کی شادی کر دینا چاہتی تھیں۔ انہیں اب ہر دن ہی اپنا آخری دن لگتا تھا اور جب وہ رات کو سوتیں تو ضرور دعا کرتیں کہ انہیں ایک دن کی مہلت مل جائے تاکہ وہ مہر کی شادی کر دیں۔ قدرت نے شاید انہیں ایسے کئی دن دیئے تھے۔ اب وہ مزید کوئی دن ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ کل چرچ سے واپسی پہ انہیں گریسن بہت اچھا لگا تھا۔ وہ بہت سلجھا ہوا لڑکا معلوم ہوا تھا۔ ان کے دل نے شدید خواہش کی کہ گریسن اور مہر کی شادی ہو جائے۔ وہ گریسن کو اس کے نام کے علاوہ نہیں جانتی تھیں مگر وہ پھر بھی انہیں ایک اچھا لڑکا لگا تھا۔ پچھلی گلی میں اس کا گھر تھا۔ وہ اس کے بارے میں سوچ رہی تھیں کہ یک دم ان کا دل گھبرانے لگا۔ تمام سوچیں ذہن سے چلی گئی

تھیں۔ وہ اپنی چھڑی لے کر کھڑی ہوئیں اور کھڑکی کے پاس آکر کھڑکی کھولی۔ صبح کی ٹھنڈی تازہ ہوا کا جھونکا پڑا تو ان کی حالت ذرہ درست ہوئی۔

''شاید یہ کوئی اشارہ ہے۔ میرے پاس زیادہ دن نہیں ہیں۔ میں نے بہت مہلت مانگ لی اور مجھے مل بھی گئی۔ میں شاید کل زندہ نہ رہوں۔ مہر......''ان کی سوچوں کا تسلسل اس ایک نام پہ آکر رک چکا تھا۔ مہر......مہر......والدین کو اپنے سے زیادہ اپنی اولاد کی فکر پریشان رکھتی ہے۔ وہ اپنی فکر چھوڑ کر اپنی اولاد کے بارے میں سوچتے ہیں۔

''مہر......مہر جلدی آؤ میری بچی۔'' کھڑکی سے لگ کر کھڑیں، وہ مہر کو اونچی اونچی آوازیں دینے لگیں۔ اونچی آوازیں دینے سے ان کا سانس خراب ہونے لگا تھا۔ وہ اب گہرے گہرے سانس لے رہی تھیں۔ ان کا سانس اکھڑ رہا تھا۔

مہر بھاگتی ہوئی کمرے میں آئی۔ اس کی ماں گہرے سانس لے رہی تھیں۔

''کیا ہوا آپ کو؟''مہر پریشان ہو چکی تھی۔ سہارا دے کر انہیں کرسی پر بٹھایا۔ چھڑی ہاتھ سے گر چکی تھی۔

''میں پانی لاتی ہوں۔''بوڑھی عورت سے کچھ بھی بولا نہ گیا۔ مہر فوراً بھاگتے ہوئے کچن کی طرف گئی۔ پانی کا گلاس لے کر وہ اسی رفتار سے واپس کمرے میں آئی۔

''پانی پیئں۔''اس نے گلاس ان کے منہ سے لگایا۔ بوڑھے ہاتھوں نے بہت ہمت سے گلاس پکڑا اور پانی کے دو قطرے پینے کے بعد ہی منہ پھیر لیا۔ مہر کی آنکھوں کے گرد پانی جمع ہونے لگا۔

''گ...... گریسن۔ گریسن کو بلاؤ۔''اکھڑتی سانسوں کے درمیان انہوں نے کہا۔ مہر بغیر کچھ سوچے بھاگتی ہوئی گھر سے باہر نکلی۔ سڑک پہ بھاگتی ہوئی وہ پچھلی گلی میں آئی۔ اسے گریسن کا گھر نہیں پتہ تھا۔ کل رات ہونے والی بارش کے باعث سرمئی سڑک گیلی تھی۔ وہ ایک دم رک گئی تھی۔ وہ کہاں جا رہی تھی؟ اس کی منزل کیا تھی؟ وہ اسے یہاں کیسے ڈھونڈے گی؟ اس نے نم آنکھوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ دفعتاً اسے ایک آدمی نظر آیا۔ وہ اپنے گھر کے باہر کھڑا سِگار پھونک رہا تھا۔ بغیر دیر کیے مہر اس کے پاس پہنچ گئی۔

''آپ گریسن کو جانتے ہیں؟''اس نے آدمی سے پوچھا۔

''آپ کون؟''آدمی نے ایک نظر اس کے چہرے پہ ڈالی۔ وہ خوبصورت چہرہ پریشان تھا۔

''میں مہر ہوں۔ آپ گریسن کو جانتے ہیں یا نہیں؟'' وہ فوراً جواب چاہتی تھی۔ اس کے پاس ضائع کرنے کو وقت نہیں تھا۔

''جی۔ میں اس کا بھائی ہوں۔''رابن نے کہا۔ سگار اس کے ہاتھ میں ہی سلگ رہا تھا۔

''وہ کہاں ہے؟''مہر نے اگلا سوال کیا۔

''وہ اندر ہے۔'' آدمی نے ہاتھ کے اشارے سے پچھلے گھر کی طرف اشارہ کیا۔ مہر بنا کچھ کہے گھر کی طرف چلی گئی۔ دروازہ کھول کر اس نے اونچی اونچی گریسن کو پکارنا شروع کر دیا۔

''گریسن۔ گریسن پلیز جلدی آؤ۔'' وہ رو پڑی تھی۔ اس وقت اس سے زیادہ بے بس اور کوئی نہیں تھا۔ اپنی ماں کے علاوہ اسے کسی چیز کی پروا نہیں تھی۔ گھر میں اس کی ماں اپنی آخری سانسیں لے رہی تھی اور وہ بے بس ہو کر گریسن کو مدد کے لیے پکارنے چلی آئی تھی۔ اس کی منتظر آنکھیں بار بار ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔ گریسن ابھی تک نظر نہیں آیا تھا۔

''گریسن۔ جلدی آؤ پلیز۔'' بے بس مہر کا ضبط ٹوٹا۔ آنکھوں سے پانی نکلا اور گالوں کو بھگوتا گیا۔ وہ دیر سے واپس نہیں جانا چاہتی تھی۔ پچھلی گلی میں اس کی دنیا ختم ہونے کو تھی۔

دفعتاً چھوٹے زینوں پر گریسن نظر آیا۔ اس کی آنکھوں میں سوال تھا مگر مہر کی حالت دیکھ کر اس نے آنکھوں کا سوال منہ پہ آنے سے روکا۔ وہ تیز تیز زینے سے اترتا نیچے آیا تھا۔

''کیا ہوا مہر؟'' اتنے میں جولیہ اور رابن بھی وہیں آ گئے تھے۔

''میری مام۔ ان کی حالت خراب ہے۔ پلیز میرے ساتھ گھر چلو۔ وہ تمہیں بلا رہی ہیں۔'' اس نے نم آواز میں کہا اور بغیر کسی کی پروا کیے گریسن کی کلائی پکڑی۔ گریسن کے لیے یہ سب غیر متوقع تھا۔ مہر کو اس کی پروا نہیں تھی۔ گریسن کو کھینچتی وہ روتی ہوئی باہر کی طرف چل پڑی۔ بغیر مزاحمت کے گریسن بھی اس کے کھینچنے پہ کھینچا چلا گیا۔ رابن اور جولیہ حیرت سے اس منظر کو دیکھ رہے تھے۔ رابن پھر باہر چلا گیا۔ باہر آ کر اس نے دائیں بائیں دیکھا۔ دائیں طرف وہ دونوں تقریباً بھاگ رہے تھے۔ دو تین لوگوں نے ان کو حیرت سے دیکھا۔ مہر اور گریسن انہیں نہیں دیکھ رہے تھے۔ مہر کا گھر آ چکا تھا۔ وہ دونوں اندر کمرے میں آئے۔ اس کی ماں ویسے ہی اکھڑے اکھڑے سانس لے رہی تھی۔ اب وہ کرسی کی بجائے زمین پہ بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوا ہے انہیں؟'' گریسن نے پوچھا۔

''پتا نہیں اچانک ان کی طبیعت خراب ہو گئی۔'' مہر اپنی ماں کے پاس آئی۔ وہی پانی کا گلاس پکڑ کر انہیں پانی پلایا۔ دو قطرے پینے کے بعد بوڑھی عورت نے اشارے سے منع کر دیا۔ مہر نے گلاس ایک طرف رکھ دیا۔

''گریسن انہیں اٹھاؤ۔ ہم انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر چلتے ہیں۔'' مہر بولی تو گریسن آگے آیا۔ دونوں نے عورت کو کندھے سے پکڑا مگر بوڑھی عورت نے پھر سے ہاتھ ہلا کر انہیں منع کر دیا۔

''نہ...... نہیں...... میں کہیں نہیں جاؤں گی۔'' وہ کپکپاتی آواز میں بولیں تو مہر نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ۔ آپ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا ہوگا؟'' مہر نے کہا اور آنسو لگاتار اس کے چہرے کو بھگو رہے تھے۔

''مہر، تم جانتی ہو...... میں مر رہی ہوں۔ اب...... کوئی ڈاکٹر میرا...... علاج نہیں کر سکتا۔ میرا آخری وقت آ گیا ہے۔'' وہ بمشکل بولیں۔ زبان سے پورا جملہ روانی سے ادا نہیں ہو رہا تھا۔ گہری سانس لے کر وہ اپنا سانس بحال کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اتنے میں رابن اور جولیہ بھی ادھر آ گئے تھے۔ کسی نے ابھی تک انہیں نہیں دیکھا تھا۔ مہر نے دوبارہ نفی میں سر ہلایا۔ وہ انہیں اس حالت میں نہیں دیکھ سکتی تھی۔ اس کی ساری دنیا اس کے ہاتھوں میں اپنا دم توڑنے کے قریب تھی۔

''نہیں...... پلیز۔'' مہر نے کہا۔ بوڑھی عورت کی آنکھوں سے آنسو نکلے اور پھر وہ مسکرا دیں۔

''گریسن میں...... میرے علاوہ...... مہر کا اس دنیا میں...... کوئی نہیں ہے۔ تم اس سے...... شادی کر لو۔ پلیز...... میری آخری...... خواہش...... سمجھ کر ہی۔''

والدین تو پھر والدین ہوتے ہیں۔ خود چاہے وہ موت کے دہانے پر بھی کھڑے ہوں تب بھی انہیں اپنی اولاد پہلے یاد آتی ہے۔ وہ بھی تو ایک ماں تھیں اور اس حالت میں تھی۔ ان کے پاس اب گنتی کی چند سانسیں باقی رہ گئی تھیں۔ اس کے بعد سب ختم...... سب کچھ...... کوئی چیز، بات، منظر کچھ بھی تو نہیں رہنا تھا۔ وہ دنیا سے جا رہی تھیں۔ اپنے جسم کے ایک حصے کو تپتی دھوپ سے بچا کر چھاؤں میں کھڑا کرنے کی فکر تھی۔ اپنی ذات کے سب سے اہم جز کو صحرا سے نکال کر ہری بھری زمین پہ لانے کی فکر تھی۔ اپنے وجود کے ٹکڑے کو خزاں سے نکال کر بہار میں بسانے کی فکر تھی۔ گریسن نے ایک نظر مہر کو دیکھا۔ آنسوؤں سے بھیگا چہرہ کس قدر خوبصورت تھا۔ یوں جیسے گلاب کے پھول پہ شبنم کے قطرے ہوں اور سورج کی کرنوں میں چمک اٹھیں۔

''گریسن...... جواب......'' بوڑھی عورت نے کہا۔ وہ جیسے موت سے مزید چند لمحات مانگ رہی تھی۔ موت کے آگے جھکے اپنی اولاد کے لیے بھیک مانگ رہی تھی۔

''میں......'' گریسن نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ مرنے والے کی آخری خواہش نہ پوری کی جائے تو اس کے ساتھ ظلم ہو گا۔ ''میں شادی کروں گا مہر سے۔'' اس نے کہا اور بوڑھی عورت ایک دم سے مطمئن ہو گئیں۔ موت سے مانگی گئی مہلت کام آ گئی تھی۔

''شکریہ۔'' مسکراتے ہوئے کہا۔ ''مہر گریسن۔'' بس اب موت نے مزید چند لمحات کی مہلت کی درخواست رد کر دی۔ اب کوئی مہلت نہیں ملنی تھی۔

''مام......مام......''مہران کے مسکراتے چہرے پہ تھپکیاں دینے لگی۔''مام......''وہ بے یقینی سے کہہ رہی تھی مگر مسکراتا چہرہ آنکھیں کھولے یونہی تھا۔ گریسن نے افسوس سے مہر کو دیکھا جو ابھی تک بوڑھی ماں کا بے جان چہرہ تھپک رہی تھی۔وہاں کوئی حرکت، کوئی جنبش کچھ بھی نہ تھی۔ گریسن نے اپنے ہاتھوں سے ان کی کھلی آنکھیں بند کیں۔مہر تڑپ اٹھی۔اپنی انگلیوں کو کھولے اپنے چہرے پہ رکھااور چیخ اٹھی۔''مام......''مہر کی چیخ سن کر رابن، جولیہ اور گریسن بھی ہل گئے تھے۔ان تینوں کے اندر سرد لہر دوڑ گئی۔مہر کے اندر اتنی تکلیف تھی۔وہ آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے ایک بار پھر چیخ اٹھی۔وہ اپنی ماں کو پکار رہی تھی۔جو اس دنیا سے جاچکی تھی۔انہیں مزید مہلت نہیں ملی تھی۔ان کا سفر تمام ہوچکا تھا۔

''مہر۔''گریسن نے ہاتھ بڑھا کر اس کا ہاتھ پکڑا۔دونوں کے درمیان بوڑھی عورت کا بے جان وجود حائل تھا۔مہر نے سرخ آنکھوں سے گریسن کو دیکھا۔ گریسن کی آنکھیں بھی لال ہوگئی تھیں۔فرق اتنا تھا کہ گریسن کی ضبط سے لال ہوئی تھیں اور مہر کی رونے سے......

دروازے پہ کھڑی جولیہ آگے بڑھ کر مہر کے پاس آئی۔نیچے بیٹھ کر اس نے مہر کے کندھے پہ ہاتھ رکھااور اسے زبردستی اپنے ساتھ لگالیا۔جولیہ کی اپنی آنکھیں بھی بھیگ چکی تھیں۔مہر اس کے ساتھ لگے بہت دیر تک روتی رہی۔جولیہ نے اسے رونے دیا۔ گریسن آنکھیں صاف کرتا اٹھااور باہر جانے لگا۔کمرے کے دروازے پہ رابن بھی کھڑا تھا۔اس نے ایک نظر رابن کو دیکھااور باہر چلا گیا۔رابن بھی اس کے پیچھے چلا گیا۔کمرے میں جولیہ اور مہر ایک بے جان وجود کے ساتھ رہ گئی تھیں۔

☆☆☆☆☆

دنیا میں آنے کے بعد انسان کا سب سے پہلا رشتہ ماں باپ کا ہوتا ہے۔وہی اس کے لیے سب سے اہم ہوتے ہیں اور اگر اولاد کا سب سے مضبوط رشتہ ہی اس دنیا میں نہ رہے تو اس اولاد کا کیا حال ہوتا ہوگا؟ زبان اس حالت کو بیان کرنے سے قاصر ہوتی ہے۔ جس پر بیتتی ہے صرف وہی جانتا ہے۔

باہر آکر رابن نے گریسن کو گلے سے لگایااور رونے لگے پھر رابن نے گریسن کو خود سے الگ کیااور دونوں نے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

''یہ لوگ کون ہیں گریسن؟''رابن نے سوال کیا۔ گریسن نے ایک نظر پیچھے گھر کو دیکھا۔

''میں ان سے کل ہی ملا تھا۔ہم چرچ سے ایک ساتھ واپس آئے تھے۔ان کی طبیعت بہت خراب تھی۔انہوں نے مجھے بتایا تھا کہ مہران کی اکلوتی بیٹی ہے۔جاتے وقت انہوں نے مجھے دعا دی۔وہی دعا جو ہماری ماں ہمیشہ دیا کرتی تھیں۔''گریسن نے نم لہجے میں کہا۔

''جیتے رہو بیٹا، خدا تمہیں ہمیشہ خوش رکھے۔''رابن نے اداسی سے مسکراتے ہوئے کہا۔آنکھوں کے گوشے بھیگ گئے۔ گریسن نے اثبات میں سر ہلایا۔

''ہاں۔اس ایک پل میں لگا کہ جیسے مام واپس آگئی ہوں۔ان کا لہجہ اور انداز بالکل ویسا ہی تھا۔بالکل مام جیسا۔انہوں نے مجھے کہا تھا کہ اگلے اتوار ہمیں بھی اپنے ساتھ چرچ لے جانا۔مجھے بہت خوشی ہوئی تھی پر ہمیں اتنا وقت ہی نہیں ملا۔''

''آؤ اب باقی سارے انتظامات کرتے ہیں۔مہر کو اس وقت ہماری ضرورت ہے۔''رابن نے کہا۔گریسن نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا۔انہیں چرچ جانا تھا تاکہ پادری کو بلا سکیں۔رابن ایک بگھی میں چرچ چلا گیا۔جانے سے پہلے وہ جولیہ کو بتا کر گیا تھا۔گریسن نے یہاں کے کام نمٹانے تھے۔

☆☆☆☆☆

''مہر پلیز حوصلہ رکھو۔زیادہ رونے سے تمہاری ماں کو زیادہ تکلیف ہوگی۔''جولیہ نے اس کے بالوں پہ ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔مہر روتی رہی۔اب اس کی آواز آنا بند ہو چکی تھی۔وہ دبی آواز میں ہی رو رہی تھی۔جولیہ نے اسے خود سے الگ کیا۔مہر نے نظریں نہ اٹھائیں۔

''مہر،تمہیں ہمت سے کام لینا ہوگا،مجھے دیکھو!میں بھی اس دنیا میں اکیلی ہی تھی مگر جب میں اکیلی ہوئی تو میں نے خود کو بہت مضبوط کر لیا تاکہ میرے اکیلے پن کا کوئی فائدہ نہ اٹھا سکے۔تم یقین کرو میں نے اپنی ماں کی جگہ کتنا عرصہ ملازمت کی پھر رابن ملا اور میری شادی ہوگئی۔رابن بہت اچھا ہے۔گریسن بھی اس کا بھائی ہے۔رابن کی طرح وہ بھی بہت اچھا ہے۔''جولیہ کہہ رہی تھی۔مہر نے ابھی تک نظریں نہیں اٹھائی تھیں۔وہ اپنی گود کو دیکھ رہی تھی جو آنسوؤں سے تر تھی۔''میں جانتی ہوں یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔مجھے معاف کرنا لیکن تم اپنی ماں کو دیکھو۔وہ تم سے کتنی محبت کرتی تھیں۔جاتے جاتے بھی انہیں تمہاری فکر تھی۔وہ تمہیں ایک اچھا سہارا دے کر چلی گئی ہیں۔تم اب رونا بند کرو کیونکہ وہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتی ہیں۔پلیز۔''جولیہ نے اس کا چہرہ تھاما اور اپنے دونوں انگوٹھوں سے اس کے آنسو صاف کیے۔مہر نے آنکھیں بند کر لیں۔وہ اس وقت کسی چیز کو بھی نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔

''میں تمہارے لیے پانی لاتی ہوں۔''جولیہ کہتے ساتھ ہی اٹھ گئی۔مہر نے آنکھیں کھولیں تو منظر دھندلا تھا۔گوشے صاف کیے تو منظر بھی صاف ہو گیا۔مہر نے اپنے ساتھ پڑے بے جان وجود کو دیکھا۔اس نے آگے بڑھ کر اس وجود کا ہاتھ تھام لیا۔مہر کی آنکھوں سے پھر پانی بہنے لگا۔اتنے میں جولیہ ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے کمرے میں آئی۔

''مہر،یہ لو پانی پیو۔''اس نے کہتے ہوئے گلاس اس کی طرف بڑھایا۔مہر نے ہلکا سا سر ہلایا اور گلاس تھام لیا۔''اب رونا نہیں پلیز۔تمہیں ہمت کرنی ہوگی۔''جولیہ اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھی۔مہر نے آدھا گلاس پیا۔رونے کی وجہ سے اس کا حلق خشک ہو گیا جو پانی پینے سے ٹھیک ہو گیا۔

''میں باہر دیکھ کر آتی ہوں۔''اس نے مہر کے کندھے پہ ہاتھ رکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔باہر جاتے جاتے اس نے اداسی سے مہر کو پیچھے مڑ کر دیکھا۔

’’میں چرچ جارہا ہوں اور گریسن یہاں کے کام دیکھے گا۔ تم مہر کا خیال رکھنا ہمیں اسے ایسے حالات میں اکیلا نہیں چھوڑنا چاہیے۔‘‘کمرے میں وہ دونوں آہستہ آواز میں بات کر رہے تھے تاکہ مہر تک ان کی آواز نہ جاسکے۔

’’تم فکر نہ کرو۔ میں یہیں ہوں۔‘‘جولیہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ رابن سر ہلا کر باہر چلا گیا اور وہ مہر کے پاس آگئی۔ اس نے مہر کو گریسن اور رابن کے بارے میں بتایا کہ وہ دونوں آخری رسومات کا انتظام کرنے جارہے ہیں۔ مہر نے اپنی ساری ہمت جمع کر کے اثبات میں سر ہلایا۔

☆☆☆☆☆

سورج کی سیر مکمل ہو چکی تھی۔ آرام کرنے کے لیے وہ آسمان سے چلا گیا تھا۔ جاتے جاتے اپنے ساتھ دن کا اجالا بھی لے گیا تھا۔ اجالا گیا تو مصنوعی روشنیوں سے فورکس کے سارے گھر روشن ہو چکے تھے۔ افسردگی اور غم سے بھرا مہر کا گھر بھی مصنوعی روشنیوں سے روشن تھا۔ مہر کی ماں کو سپردِ خاک کر کے وہ واپس آگئے تھے۔

’’مہر تم ہمارے ساتھ ہمارے گھر چلو، ہم تمہیں یہاں اکیلے نہیں رہنے دیں گے۔‘‘جولیہ نے اس سے کہا۔ رابن، گریسن، جولیہ اور مہر اسی کمرے میں بیٹھے تھے۔ مہر نے ان کے ساتھ جانے سے منع کر دیا تھا۔ جولیہ نے اسے بہت سمجھایا کہ اکیلے رہنا ٹھیک نہیں ہے لیکن مہر نے اس کی بات نہیں مانی۔ وہ یہاں سے جانا نہیں چاہتی تھی۔ وہ یہیں رہنا چاہتی تھی۔ جب تک ممکن ہے تب تک تو......

’’میں مہر کے ساتھ یہیں رک جاتی ہوں رابن۔ تم گریسن کے ساتھ گھر چلے جاؤ۔‘‘یہی فیصلہ ہوا تھا۔ مہر نے اس بار منع نہیں کیا تھا۔ گریسن اور رابن تھوڑی دیر بعد وہاں سے چلے گئے۔

آدھی رات گزرنے کے بعد مہر اور جولیہ سونے کے لیے لیٹ چکی تھیں۔ دونوں کے درمیان ایک دو باتوں کے علاوہ کوئی بات نہیں ہوئی تھی۔ وہ کھلی آنکھوں سے بیڈ پر لیٹی تھی۔ کتنی ہی دیر وہ سامنے کسی نقطے کو دیکھتی رہی جس کا حقیقت سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ نجانے کب اسے نیند آگئی۔ دوسری طرف جولیہ بھی سو چکی تھی۔

☆☆☆☆☆

سورج نکلا تو دن چڑھا......

دن چڑھا تو اجالا ہوا......

اجالا ہوا تو سارا جہاں روشنی میں نہا گیا......

ایسے ہی اجالا کم ہوا......

رات ہوئی تو اندھیرا چھا گیا......

اندھیرا چھا گیا تو مصنوعی روشنیوں نے روشنی کا کام دیا......

روشنی بجھی تو پھر سے سورج نے اپنا دیدار کروادیا......

دیدار ہوا تو پھر سے اجالا ہوا......

آسمان نیلا ہوا تو بادلوں نے اپنا سرمئی رنگ پورے آسمان پہ بکھیر دیا......

سرمئی بادل برسے تو دن میں، ہر شے کو گیلا کر گئے......

بادل برسنا بند ہوئے تو اجالا بھی چلا گیا

پھر سے رات آئی......

پھر سے وہی چکر گھوما......

ایسے ہی ایک ہفتہ گزر گیا......

مہر پچھلے دو دنوں سے اپنے گھر اکیلی ہی سوئی تھی۔ جولیہ پہلے اس کے ساتھ سوجایا کرتی تھی مگر جیسے جیسے مہر کو دنیا کی ہوش آئی تو اس نے جولیہ کو اپنے گھر رہنے کا ہی کہا۔ جولیہ نے بے حد اصرار کیا مگر مہر نہ مانی۔ مہر کی ماں کے انتقال کے بعد اگلے دن بھی جولیہ، گریسن اور رابن مہر کے ساتھ ہی اس کے گھر رہے تھے اور رات کو وہ دونوں اپنے گھر چلے جاتے تھے۔ جولیہ کچھ دن مہر کے ساتھ اس کے گھر ہی سوتی رہی پھر مہر نے اسے منع کر دیا کہ وہ یہاں سویا نہ کرے اور کچھ وقت گزار کر چلی جائے۔ مہراب قدرے سنبھل چکی تھی۔ اسے اپنی ماں کے جانے کا غم بہت تھا مگر دنیا تو انسان کے غم نہیں دیکھتی۔ چاہے انسان کتنا ہی غمزدہ کیوں نہ ہو۔ دنیا اپنا نظام کبھی نہیں روکتی۔ انسان کو ہی خود اپنے غم کو قابو کرنا پڑتا ہے کیونکہ اسے اس دنیا میں رہنا ہی ہے۔

ایک ہفتے بعد جب مہر اپنے گھر میں اکیلی تھی تو اس نے وقت گزاری کے لیے ایک کتاب پڑھنی شروع کر دی۔ وہ محوِ مطالعہ تھی کہ اسے باہر سے کسی کے آنے کا احساس ہوا۔ پہلے پہل اس نے نظرانداز کیا۔ وہ اس وقت بالائی منزل کے کمرے میں تھی مگر کچھ دیر بعد اسے یہ احساس حقیقت لگنے لگا۔ اس نے کتاب سے نظریں اٹھا کر ادھر ادھر دیکھا۔ کھڑکی کے باہر سوائے اندھیرے کے اور کچھ نظر نہیں آیا تھا۔ اس نے دوبارہ کتاب پڑھنا شروع کر دی۔ اس نے صفحہ پلٹا تو اسے ایسا لگا جیسے کھڑکی کے باہر کوئی ہے۔ کوئی سایہ......وہاں کچھ تو ضرور تھا۔ وہ ڈر گئی تھی۔ رات کے اس پہر کون ہو سکتا ہے؟ اس نے کتاب بند کر کے ہاتھ میں پکڑی اور کھڑکی کی طرف بڑھنے لگی۔ دفعتاً کھڑکی میں ایک ہاتھ نظر آیا۔ وہ ڈر کر ایک قدم پیچھے ہٹی۔ اس کی نگاہ ایک ڈنڈے پر پڑی۔ اس نے فوراً سے وہ اچک لیا۔ کتاب اس نے میز پر رکھ دی تھی۔ وہ اس کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھی۔ مہر نے ڈرتے ڈرتے قدم آگے بڑھائے۔ ہاتھ پھر سے نظر آیا۔ مہر نے بغیر آواز کے کھڑکی کھول دی تھی۔ ہاتھ اب واضح نظر آرہا تھا۔ وہ شاید کوئی چور تھا۔ مہر نے ڈنڈے پر گرفت مضبوط کی۔ چور کا چہرہ اوپر آیا اور مہر نے ڈنڈہ مارنے ہی لگی تھی کہ رک گئی۔

''تم......'' مہر چلا اٹھی۔ جیسے اسے یقین ہی نہ آیا ہو۔

''ہاں۔ تو کب سے دروازہ بجا رہا ہوں۔ تم کھول ہی نہیں رہی تھی۔ مجبوری میں ایسے آنا پڑا۔ تین بار دستک دی مگر کوئی جواب نہیں آیا۔ پھر میں جانے لگا تو مجھے اوپر روشنی نظر آئی۔ میں جانتا تھا کہ تم اوپر ہی ہو گی۔ اس لیے میں چلا آیا۔ اب مجھے اندر آنے دو گی؟'' پائپ کے سہارے کھڑا گریسن بولا۔ مہر کو حیرت ہوئی اور پیچھے ہٹی اور گریسن کھڑکی سے اندر آ گیا۔ مہر چپ چاپ اسے دیکھے گئی۔ اس نے تین بار دستک دی تھی۔ مہر کو تین بار ہی احساس ہوا لیکن اس نے نظرانداز کیا تھا۔

''کیا ہوا؟'' گریسن نے خاموش کھڑی مہر کو دیکھ کر پوچھا۔ مہر ہوش میں آ گئی تھی۔

''کچھ نہیں۔'' اس نے ہاتھ میں پکڑا ڈنڈہ ایک طرف رکھ دیا۔ ''یہاں کیسے آنا ہوا؟ جہاں تک مجھے یاد ہے کہ ہمارے درمیان تین چار بار سے زیادہ بات نہیں ہوئی اور اب ایک دم سے اتنا بے تکلف......'' مہر نے حیرت عیاں کی۔ گریسن ہنس دیا۔ وہ کوئی اور گریسن لگ رہا تھا۔ پہلے والے سے یکسر مختلف......

''مجھ سے اور انتظار نہیں ہوا۔''

''کس بات کا؟''

''ایک بات کہنی ہے۔''

''کیا بات؟''

''میں کب سے انتظار کر رہا تھا اس کا۔''

''کس کا؟''

''اس بات کو کہنے کا۔''

''تو کہہ دو۔''

''واقعی، کہہ دوں؟''

''اگر نہیں کہنی تو تم جا سکتے ہو۔ میں ویسے بھی کتاب پڑھ رہی تھی۔''

''نہیں، نہیں۔ آج نہیں جاؤں گا۔ آج کہہ دوں گا۔''

''تو جلدی بولو۔''

''اچھا! تو سنو۔'' گریسن مسکراتے ہوئے دو قدم آگے بڑھا۔ مہر وہیں کھڑی رہی۔

''سناؤ۔'' مہر نے کہا اور نظریں جھکا لیں۔

''پہلے تم سے ایک سوال۔'' گریسن نے ایک دم کہا۔ مہر نے اسے گھور کر دیکھا۔

''کیا''اس نے پوچھا۔ دونوں کے درمیان تین قدم کا فاصلہ تھا۔

''کیا تمہیں پہلی نظر کی محبت پہ یقین ہے مہر؟'' گریسن نے پوچھا۔ مہر نے بھنویں اٹھا کر اسے دیکھا جیسے حیران ہو رہی ہو۔

''پتا نہیں۔ میری زندگی اتنی مصروف رہی ہے کہ مجھے محبت کے بارے میں جاننے کا وقت ہی نہیں ملا۔''اس نے جواب دیا۔ کھڑکی سے ہوا کا جھونکا اندر آیا اور مہر کے کھلے بال ہوا میں لہرانے لگے۔

''تو مطلب تم کبھی بھی یقین نہیں کرو گی؟'' گریسن نے دوسرا سوال کیا۔

''میں نے کبھی محبت کی ہی نہیں۔ مجھے صحیح سے معلوم نہیں۔''وہ گریسن کے ایسے رویے پر حیرت کا شکار تھی۔

''محبت تو ہو جاتی ہے بس۔ خود کوئی نہیں کرتا۔'' گریسن مسکرا دیا۔ مہر نے آوارہ لٹ کو کان کے پیچھے کیا۔

''آج تمہیں کیا ہو گیا ہے گریسن؟ تم عجیب عجیب باتیں کر رہے ہو۔''مہر نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''محبت۔ مجھے محبت ہو گئی ہے۔'' گریسن کے انداز میں ہی محبت واضح تھی۔

''کس سے؟''مہر نے پوچھا۔

''تم سے۔''اور جواب سن کر مہر سکتے میں آ گئی۔ اسے اس جواب کی امید نہیں تھی۔ اس نے کچھ کہنے کے لیے لب کھولے مگر اس کے سارے الفاظ وہیں دم توڑ گئے۔

''مجھے تم سے محبت ہو گئی ہے مہر۔ کیا تم مجھ سے شادی کرو گی؟''اس نے پوچھا۔ ایک گھٹنہ زمین پر رکھ کر بیٹھ گیا اور اپنی جیب سے گلاب نکال کر مہر کے سامنے کیا۔ پھول اس نے نیچے باغ سے ہی توڑا تھا۔ مہر کے لیے یہ سب کچھ غیر متوقع تھا۔ گریسن ایک گھٹنے کے بل ہی بیٹھا تھا۔ ہاتھ میں گلاب لیے، مہر کے جواب کا منتظر تھا۔ سامنے مہر چپ چاپ کھڑی تھی۔ حیران سی......

''مہر کچھ تو بولو۔'' گریسن نے جواب نہ پا کر پوچھا۔ مہر نا سمجھی میں ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

''گریسن مجھے لگتا تھا کہ تم میری ماں کی بات کو بھول جاؤ گے مگر......'' گریسن نے فوراً اس کی بات کاٹی۔

''مگر میں یہ بات دل سے کہہ رہا ہوں۔ تمہاری ماں کی بات تو بعد میں آتی ہے۔'' گریسن بولا تو مہر کی حیرت میں مزید اضافہ ہوا۔

''میں کیا کہوں؟''

''اگر تمہیں قبول ہے تو پھول پکڑ لو ورنہ میں آئندہ تم سے کبھی یہ بات نہیں کروں گا۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ میں تمہاری رائے کو اہمیت دوں گا۔ میرے لیے تمہاری خوشی زیادہ اہم ہے مہر۔'' گریسن نے کہا اور آخر میں اس کے انداز میں شائستگی بھی تھی۔ مہر نے

چند لمحے مزید سوچا۔ گریسن ویسے ہی بیٹھا رہا منتظر...... پھر مہر نے ایک دم سے گریسن کے ہاتھ سے گلاب اچک لیا اور مسکرا دی۔ گریسن کے چہرے پر اطمینان پھیلتا چلا گیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''شکریہ تمہارا۔'' اس نے کہا۔

''پھول لینے کے لیے؟'' اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں۔ اس لیے کہ تم نے پھول پکڑا تو میں سیدھا ہوا۔ میرا تو گھٹنہ درد کرنے لگا تھا۔'' وہ خفگی سے بولا تو مہر کی مسکراہٹ سمٹی۔

''یعنی کہ......'' گریسن نے پھر سے مہر کی بات کاٹی۔

''اچھا اچھا مذاق کر رہا تھا بس۔'' وہ ہنس پڑا۔ مہر کی مسکراہٹ بھی واپس آ چکی تھی۔ کھڑکی سے باہر چلتی ہوا بار بار اندر جھانکتی اور لمحے بھر کے لیے دونوں کے اندر اتر جاتی۔ ہوا میں سکون تھا۔ وہی سکون جو گریسن کو اپنی محبت پا کر ملا تھا۔

☆☆☆☆☆

پہاڑی پہ بنے چرچ پہ سورج طلوع ہوا تو اس عمارت کی ہر اینٹ سورج کی سنہری دھوپ میں نہا سی گئی تھی۔ لکڑی کا بڑا سا دروازہ کھلا تھا۔ عمارت کے اوپر بڑا سا صلیب کا نشان اسی طرح چمک رہا تھا۔ چرچ کے ہال میں ننز کے علاوہ اکا دکا لوگ نظر آ رہے تھے۔ ان کا رخ ایک طرف ہی تھا۔ دروازہ اندر کو دھکیلا اور وہ کھلتا چلا گیا۔ وہ سب اندر آ گئے اور آخری بینچوں پہ بیٹھ گئے۔ دونوں طرف بینچ رکھے۔ بہت سے لوگ ان پر برا جمان تھے۔ درمیان میں بڑی سی راہداری تھی جس پر قالین بچھا تھا۔ راہداری سیدھا چبوترے (اسٹیج) تک خالی تھی۔ جہاں دولہا اور دلہن کھڑے تھے۔ ان دونوں کے درمیان کالے لباس والا پادری بھی کھڑا تھا۔ دلہن نے سفید رنگ کا عروسی جوڑا زیب تن کر رکھا تھا۔ بالوں کو اوپر سے باندھے اور باقی کمر پر کھلا چھوڑے، وہ بہت حسین لگ رہی تھی۔ چہرے پر ڈھیروں خوشی اور اطمینان رقم تھا۔ کالے پینٹ کوٹ میں دلہا بھی خوبصورت لگ رہا تھا۔ بالوں کو اچھے سے بنائے، وہ اپنی دلہن کو دیکھ رہا تھا۔ ہاتھ میں گلدستہ بھی تھام رکھا تھا۔ چہرے پر سکون اور محبت رقم تھی۔

''کیا آپ قبول کرتے ہیں؟'' پادری نے پہلے کچھ پڑھا اور پھر دلہے سے پوچھا۔

''قبول کرتا ہوں۔'' اس نے خوشی سے دلہن کو دیکھتے ہوئے تین بار اقرار کیا۔ تمام لوگوں نے تالیاں بجائیں تو وہ دونوں مسکرا دیئے۔ پادری نے پھر یہی سوال دلہن سے بھی پوچھا۔ اس نے بھی ''قبول کرتی ہوں'' کہا اور ایک بار پھر ہال میں موجود سب افراد نے خوشی سے تالیاں بجائیں۔

''آج سے آپ دونوں میاں بیوی ہیں۔'' پادری نے کہا تو دونوں کی مسکراہٹ مزید گہری ہو گئی۔ گریسن نے مہر کو گلدستہ تھمایا۔ لوگ ابھی تک تالیاں بجا رہے تھے۔ مہر کے چہرے پہ سکون تھا۔ گریسن کے چہرے پہ اطمینان تھا۔ جولیہ نے مہر اور رابن نے گریسن کو گلے لگا کر مبارک باد دی۔ وہ سب بہت خوش تھے۔

مہر کی زندگی اب ایک نئے روپ میں آگئی تھی۔اس کی زندگی اب کتنے روپ دھارے گی،اس کا مہر کو تھوڑا سا بھی اندازہ نہیں تھا۔مہر ایک غار میں بند ہونے جا رہی تھی۔ایسی غار جس سے نکلنا بہت مشکل تھا۔پچھتاوے کی غار میں قید ہونا انسان سے اس کی زندگی چھین لیتا ہے۔

☆☆☆☆☆

۱۹۰۰ میں ان کی شادی کو دو سال ہو چکے تھے۔وہ فورکس میں ہی رہتے تھے۔مہر نے اپنا گھر بند کر دیا تھا۔کبھی کبھار وہ گریسن کے ساتھ وہاں جا کر وقت گزارتی تھی،اپنی ماں کو یاد کرتی تھی،اپنی ماں کی باتیں کرتی تھی۔گریسن اس کے لیے ایک اچھا سامع ثابت ہوا تھا۔مہر کو اس سے بات کر کے بھی اچھا لگتا تھا۔اس کا دل ہلکا ہو جاتا تھا۔گریسن کے لیے اتنا ہی کافی تھا کہ مہر کا دل ہلکا ہو گیا ہے۔وہ اس کے لئے ساری ساری رات بھی بیٹھ کر اس کی باتیں سن سکتا تھا۔شادی کے بعد اس کی محبت میں مزید اضافہ ہو گیا تھا۔وہ مہر کا بہت خیال رکھتا تھا۔اسے لے کر اکثر کہیں باہر چلا جاتا تھا۔جس دن چھٹی ہوتی اس دن تو وہ گھر سے باہر ہی رہتے تھے۔کبھی کسی پارک میں...... جیسے مہر اپنی ماں کے ساتھ آتی تھی۔کبھی پہاڑی پہ بنے چرچ...... تو کبھی اسی پہاڑی پہ کسی ایسی جگہ جہاں وہ بیٹھ کر کھانا کھا سکتے تھے۔یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا،جب تک مہر کی گود میں سٹیفن نہیں آگیا۔مہر اب سٹیفن کے ساتھ ہی مصروف رہتی تھی۔گریسن کام سے گھر واپس آتا تو وہ مہر سے گلہ کرتا تھا کہ اب وہ اسے وقت نہیں دیتی۔مہر اس کی بات پہ ہنس پڑتی تھی۔گریسن کو منانا اسے آتا تھا۔گریسن،مہر اور سٹیفن سے بہت محبت کرتا تھا۔چھٹی کا دن وہ اب بھی اسی طرح ہی باہر گزارتے تھے۔شروع شروع میں سٹیفن کی وجہ سے یہ سلسلہ رک گیا تھا مگر جب سٹیفن ایک سال کا ہو گیا تو گریسن پھر سے اسے لے کر باہر جانے لگا۔اس سب میں یہ ہوا تھا کہ مہر اب اپنی ماں کے گھر نہیں جاتی تھی۔اس کے پاس اب اتنا وقت ہی نہیں ہوتا تھا۔گھر کے کام اور سٹیفن......اس کی تمام تر توجہ اپنے گھر اور اپنے خاندان پہ ہی تھی۔گریسن نے بھی اس بات پہ غور کیا تھا کہ مہر غیر معمولی طور پر سگھڑ ہے۔اسے ہر کام آتا ہے۔وہ زیادہ عمر کی تو نہیں تھی مگر کام کرتے وقت جیسے اس کا تجربہ بولتا تھا۔وہ اکثر اس سے کہتا تھا کہ اس کی اپنی ماں بھی ایسے ہی کام کرتی تھی جیسے تم کرتی ہو۔ان دونوں کا طریقہ ایک جیسا تھا۔مہر اس کی بات پہ بس ہنس دیتی تھی۔اس کے علاوہ وہ اور کیا کرتی؟ سٹیفن کی پیدائش کے بعد بھی اس نے کام کرنا نہیں چھوڑا تھا۔گو کہ جولیہ اسے منع کرتی تھی مگر وہ ایسے نہیں بیٹھ سکی۔یہ اس کی عادت ہی نہیں رہی۔جولیہ کے لاکھ منع کرنے کے باوجود، کھانا وہی بناتی تھی۔

سٹیفن جب ایک سال کا ہوا تو جولیہ اور رابن واپس چلے گئے تھے۔ان کے جانے کے بعد خطوط کا سلسلہ جاری رہا۔دونوں بھائی ایک دوسرے کا حال احوال جاننے کے لئے خط ارسال کرتے رہتے تھے۔کافی سالوں تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔یہاں تک کے ایک دن جولیہ کے خط میں رابن کی موت کا ذکر ہوا۔مہر اور گریسن اپنے پندرہ سالہ بیٹے کو لے کر ان کے پاس پہنچ گئے۔سامنے تابوت میں رابن کی میت پڑی تھی۔جولیہ زار و قطار رو رہی تھی۔گریسن بھی رو رہا تھا۔مہر کی آنکھیں بھی نم تھیں۔وہ ایک ہفتہ وہاں رہے تھے اور پھر

جولیہ کو اس کی ماں اپنے ساتھ ہی لے گئی تھی۔ مہر اور گریسن نے اسے اپنے ساتھ آنے کا کہا تھا مگر اس کی ماں نے منع کر دیا تھا۔ گریسن اور مہر نے اس کی ماں سے زیادہ اصرار نہیں کیا۔ وہ واپس آ گئے۔

سٹیفن ...... مہر نے اس کی تربیت بہت اچھے سے کی تھی۔ وہ باقی بچوں کی طرح نہیں تھا۔ وہ شروع سے ہی بہت سلجھا ہوا بچہ تھا۔ اسکول میں بھی اس کی کارگردگی اچھی تھی۔ مہر چاہتی تھی وہ بڑا ہو کر ڈاکٹر بنے اور اس کی ماں جس بیماری کو برداشت کرتی دنیا سے چلی گئی تھی، سٹیفن اسی بیماری کا علاج دریافت کرے یا کم از کم کچھ ایسا کہ کوئی اس طرح نہ مرے۔ سٹیفن کو خود بھی ڈاکٹر بننے کا شوق تھا کیونکہ مہر اور گریسن اکثر باتوں باتوں میں اس سے اسی بارے میں بات کیا کرتے تھے۔ وہ ایک اچھا بچہ تھا۔ وہ مہر اور گریسن کا بھی بہت خیال رکھتا تھا۔ کبھی اگر مہر کی طبیعت خراب ہوتی تو وہ سارے گھر کی صفائی کر دیتا تھا۔ کھانا پکانا اگر وہ نہیں جانتا تھا تو وہ مہر کا ساتھ ضرور دیتا تھا۔ سٹیفن نے مہر کو ایک نئی زندگی دی تھی۔

مہر، سٹیفن، گریسن ایک مکمل فیملی......

مہر کی ماں کا گھر مکمل طور پہ بند ہو چکا تھا تو ایک دن گریسن نے مہر سے اسے بیچنے کی بات کی۔ مہر اس کی بات سن کر ششدر رہ گئی تھی۔ اس نے پہلی بار گریسن سے جھگڑا کیا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ گریسن ایسی بات کر سکتا ہے۔ وہ گریسن کی نیت پہ شک کر رہی یا کم از کم اس کی بات سے وہ بدگمان ضرور ہو گئی تھی۔ اس نے گریسن سے بھی یہ بات کر دی تھی اور اب ششدر ہونے کی باری گریسن کی تھی۔ اسے مہر کی بات سن کر دلی دکھ ہوا تھا۔ وہ ایک دوسرے سے کتنے دن ناراض رہے تھے۔ سٹیفن نے جب حالات کی سنگینی دیکھی تو اس نے انہیں آمنے سامنے بٹھایا۔ وہ دونوں ایک بار پھر سے لڑنے لگے تھے۔ سٹیفن بیچ میں نہیں بولا مگر آہستہ آہستہ دونوں کو ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔ گریسن نے اپنی بات سامنے رکھی کہ اسے پیسوں کا لالچ نہیں ہے بلکہ وہ اس گھر کو بیچ کر گاڑی خریدنا چاہتا ہے۔ مہر نے اس وقت اس کی پوری بات نہیں سنی تھی اور وہ آگ بگولہ ہو گئی تھی۔ یہ ایک فطری عمل تھا۔ اس گھر میں اس کا سارا بچپن گزرا ہے۔ اس گھر کے ایک ایک کونے میں اس کی یادیں ہیں۔ ایک ایک کونا اپنے اندر کتنی کہانیاں لے کر بیٹھا ہے۔ وہ اس گھر کو بیچنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر گریسن کی بات بھی ٹھیک تھی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اسے احساس ہوتا گیا کہ وہ گھر اب کسی کے استعمال میں نہیں ہے تو اسے ایسے رکھنے کا فائدہ بھی نہیں ہے۔ تین سال بعد مہر نے گریسن کو وہ گھر بیچنے کی اجازت دے دی تھی۔

گریسن، مہر کے ساتھ جا کر ہی گاڑی خرید کر لایا تھا۔ دونوں نے اپنے رویے پہ ایک دوسرے سے معذرت کر لی تھی اور آئندہ جھگڑا نہ کرنے کا عہد بھی کر لیا تھا جسے ان دونوں نے بہت ایمان داری سے نبھایا تھا۔ اس ایک جھگڑے نے ان کے دل میں ایک دوسرے کی محبت میں کمی کے بجائے اضافہ کر دیا تھا۔ وہ بالکل پہلے جیسے ہو گئے تھے۔ سٹیفن انہیں دیکھ کر ہنستا تھا کہ وہ اتنی سی بات پر

ایسے لڑ رہے تھے جیسے ایک دوسرے کا قتل کر دیں گے اور اب ساتھ ایسے بیٹھے تھے جیسے بچپن کے دوست تھے۔ یہ سب تو میاں بیوی کے درمیان ہوتا ہی رہتا ہے۔ اس میں کوئی ایسی بڑی بات بھی نہیں تھی۔ مہر نے اسے کہا تھا۔

سٹیفن کالج کی تعلیم حاصل کرنے لگا تھا۔ اس نے ڈاکٹری کے مضمون ہی رکھے تھے۔ وہ اپنی کلاس کا اچھا طالب علم تھا۔

گریسن اپنے کام پہ تھا اور سٹیفن کالج...... جب مہر اپنے گھر سے سامان لینے کے لیے پاس میں بنے سٹور پہ گئی۔ وہ درمیانی عمر کی ہو چکی تھی۔ اس کی خوبصورتی پہ فرق نہیں پڑا تھا بس ایک Grace آ گئی تھی۔ وہ اس عمر میں بھی بہت اچھی شخصیت کی مالکن تھی۔ وہ اپنے بالوں کو جوڑے میں قید کر کے، کندھے کی طرف رکھتی تھی جس سے اس کے رکھ رکھاؤ کا اندازہ بھی ہو جاتا تھا۔ فورکس کی امیر عورتیں اپنے بالوں کو ایسے ہی رکھتی تھیں۔ پیروں تک آتا گہرے ہرے رنگ کا فراک اور گردن میں ایک بل ڈال کر مفلر لپیٹے، وہ آج بھی اسی شان سے چل رہی تھی جیسے بیس سال پہلے چلا کرتی تھی۔ کوئی اسے دیکھ کر آج بھی دوسری نظر ڈالنے سے خود کو باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ اس سب کے باوجود مہر نے کبھی خود پہ غرور نہیں کیا تھا۔ وہ بہت سادہ سی تھی۔ اس کے انداز میں محبت ہی جھلکتی تھی۔ وہ کبھی کسی سے اونچی آواز میں بات نہیں کرتی تھی۔ سب کے ساتھ اچھے طریقے سے پیش آتی تھی۔ آس پاس کے گھروں کی عورتیں بھی اس کی اس عادت کی تعریف کرتی تھیں۔ وہ اکثر اس کے گھر آتی تھیں۔ انہیں مہر اچھی لگی تھی پر...... کسی کو کیا خبر تھی کہ چند سالوں بعد کی ''لیڈی مہر'' اور ۱۹۲۰ کی ''مہر'' میں زمین آسمان کا فرق ہو گا؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔ مہر خود بھی نہیں......

سورج آج پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ ہر چیز سنہری کرنوں کی لپیٹ میں تھی۔

''آج تو بہت گرمی ہے۔'' اس نے خود کلامی کی۔ وہ سٹور میں چلی گئی۔ وہاں بھی گرمی کا یہی حال تھا۔ سامان خریدا اور بل کی ادائیگی کی۔ دونوں ہاتھوں میں سامان اٹھائے وہ سٹور سے باہر نکلی۔ وہ جلد از جلد گھر جانا چاہتی تھی۔ وہ تیز تیز ہی چل رہی تھی جب ایک چھوٹا بچہ آ کر اس سے ٹکرایا۔ مہر کے قدم ایک دم رکے۔ ایک تو گرمی اور اوپر سے یہ بچہ......

''آہستہ چلو۔ نظر نہیں آ رہا آگے سے کوئی آ رہا ہے؟'' وہ اس پر برس پڑی۔ گرمی کی وجہ سے اس کا موڈ بہت خراب ہو چکا تھا۔ اسے سٹیفن پہ بھی غصہ تھا کہ وہ جانے سے پہلے سامان نہیں لایا تھا۔ اب اسے خود آنا پڑا اور ایسے میں بچہ ٹکرانے سے اس کا غصہ مزید بڑھ گیا۔ اس نے سٹیفن کا غصہ بچے پہ نکال دیا۔ اس عمر میں انسان ایسا ہی رد عمل دیتا ہے۔

بچہ سہم کر دو قدم پیچھے ہٹا۔ ''سوری، میں نے آپ کو دیکھا نہیں۔'' معصوم بچے نے اتنا کہا اور رونے لگ گیا۔ اسے روتا دیکھ کر مہر کا غصہ ایک دم کم ہوا۔ اسے اپنے رویے پہ پچھتاوا ہوا۔ اسے بچے کے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہئے تھا۔ کسی کا غصہ کسی پہ اتارنا اچھی بات نہیں ہوتی۔ وہ اس بات سے بے خبر تھی کہ یہ اس کی مستقل عادت بن جائے گی۔

''اچھا چلو کوئی بات نہیں۔ ایسے روتو مت۔'' اس نے سامان زمین پہ رکھ دیا اور بچے کے سامنے پنجوں کے بل بیٹھ گئی۔ چند منٹ پہلے والا لہجہ کہیں نہیں تھا۔ فٹ پاتھ کے ایک طرف، دکانوں کی آگے نکلی چھتوں کے سائے تلے وہ اس بچے کو چپ کروا رہی تھی۔ وہ روتا رہا۔ مہر کو رہ رہ کر پچھتاوا ہو رہا تھا۔

''بتاؤ کیا ہوا ہے؟ سوری اگر تم میری وجہ سے رو رہے ہو۔'' اس نے پیار بھرے لہجے میں معذرت کی۔ بچے کے کپڑے مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ بالوں میں بھی مٹی لگی تھی جو کالے بالوں کا رنگ بھورا کر رہی تھی۔

''بھوک لگی ہے مجھے۔'' اس نے آنکھیں مسلتے ہوئے کہا۔ مہر کو اس پر ترس آیا۔

''اچھا آؤ میرے ساتھ۔ میں تمہیں کھانا دیتی ہوں۔'' وہ اٹھ گئی۔ سامان ابھی تک زمین پہ ہی تھا۔

اس کی بات سن کر بچے نے خوشی سے اسے دیکھا اور اس خوشی نے اسے بھی اندر تک خوش کر دیا تھا۔

وہ دونوں اب ساتھ ساتھ چل رہے تھے۔ آٹھ، نو سالہ بچے نے ایک تھیلا اٹھا لیا تھا۔ بھوک مٹانے کے لیے تو انسان کچھ بھی کر سکتا ہے، یہ تو تھوڑا سا سامان ہی تھا۔

''تمہارا گھر کہاں ہے؟'' مہر نے اس سے پوچھا۔

''یہیں پاس میں ہماری جھونپڑی ہے۔'' وہ اداسی سے بولا۔ اس کے پاس بڑا گھر نہیں تھا پر وہ جھونپڑی ہی اس کا گھر تھا۔ اسے بتاتے ہوئے شرم سے زیادہ دکھ ہو رہا تھا۔

''چلو میرا گھر بھی آ گیا۔'' اس نے بات بدلی۔ وہ جان گئی تھی کہ بچہ دکھی ہو گیا ہے۔

گھر آ گیا۔ مہر اسے لیے سیدھا کچن میں آ گئی۔ سامان بھی وہیں رکھ دیا۔

''تم اکیلے رہتے ہو؟'' کھانا پلیٹ میں نکالتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ہاں۔ میرے ماں باپ مر چکے ہیں۔ میں اکیلا ہی رہتا ہوں۔'' کیا دنیا کے غم کم ہیں؟ اتنی چھوٹی سی عمر اور اتنا دکھ......

''تو اکیلے کیسے رہتے ہو تم؟'' مہر نے افسوس سے کہا۔

''سارا دن بھیک مانگتا ہوں پھر وہی جا کر سو جاتا ہوں۔ آج کسی نے بھیک نہیں دی اسی لیے میں نے صبح سے کچھ نہیں کھایا۔ آپ کا شکریہ آنٹی۔'' اس نے کہا اور مہر کو لگا اس نے کبھی زندگی میں کوئی دکھ دیکھا ہی نہیں ہے۔

''اچھا، پریشان مت ہو۔ تم بھیک نہ مانگا کرو بلکہ کوئی کام کرو۔ ایسے تمہیں زیادہ پیسے مل جائیں گے۔'' مہر اسے مزید دکھی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ ''تم ایسا کرو، میرے گھر سے ایک ٹائم کا کھانا لے جایا کرو اور اپنے لیے کوئی کام ڈھونڈ لو۔ کام کرنے سے تمہارے حالات بدل سکتے ہیں۔''

''ٹھیک ہے۔'' وہ اداسی سے بولا۔ اپنے سامنے کھانا دیکھ کر وہ بہت خوش ہوا تھا۔ مہر بھی اسے کھانا کھاتا دیکھ کر خوش ہوئی۔

''تم کھانا کھاؤ، میں ابھی آتی ہوں۔'' اس کے مٹی سے اٹے ہوئے بالوں پہ ہاتھ پھیر کر وہ کچن سے باہر چلی گئی۔ کرسی پہ بیٹھا بچہ بہت بھوکا تھا۔ وہ تیز تیز کھا رہا تھا کہ کہیں کھانا غائب ہی نہ ہو جائے۔

☆☆☆☆☆

رات ہوئی تو آسمان پہ تارے بکھر گئے۔ چاند کی سفید روشنی میں بادل ادھر ادھر اڑتے صاف دکھائی دیتے تھے۔ ٹھنڈی ہوا کی وجہ سے صبح کی گرمی بھلائی جا چکی تھی۔ انسان پہ جب اچھا وقت آتا ہے تو وہ برا وقت بھول جاتا ہے۔ غلطی وہ تب کرتا ہے جب وہ اس اچھے وقت کو دائمی سمجھ کر غرور کرنے لگتا ہے، جبکہ اسے شکر ادا کرنا چاہئے۔

گریسن اور سٹیفن کمرے میں شطرنج کھیل رہے تھے۔ سٹیفن بار بار ہار رہا تھا۔ اسے شطرنج کھیل کر بہت رنج ہو رہا تھا۔

''کھانا لگ گیا ہے۔ آ جاؤ۔'' کپڑے سے ہاتھ صاف کرتی مہر کمرے میں داخل ہوئی۔ گریسن نے اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔ وہ آج بھی کتنی خوبصورت تھی۔ اس کے بال، آنکھیں، چہرہ، اس کی مسکراہٹ...... سب کچھ ویسا ہی تھا۔ اس کے دل میں مہر کی محبت بھی ویسی ہی تھی۔

''چلیں ڈیڈ۔ کھانا کھاتے ہیں۔'' سٹیفن کو اچھا بہانا مل گیا تھا۔

گریسن ہنس پڑا۔ ''ہاں جی، جناب، آپ ہار جو رہے ہیں۔ کھانا کھانے ہی جانا چاہئے آپ کو تو۔''

''اب ایسی بات بھی نہیں ہے ڈیڈ۔ میں نے بھی تو ایک دو اچھی چالیں چلی ہیں۔'' وہ برا مانتے ہوئے بولا۔

گریسن کا قہقہہ اس بار پہلے سے بلند تھا۔ ''بس ایک دو ہی۔''

''اچھا بس کریں دونوں۔ کھانا ٹھنڈا ہو رہا ہے۔'' مہر نے کہا اور چلی گئی۔ گریسن ہنستے ہوئے اٹھے اور ناراض بیٹے کو ایک ہاتھ سے کندھے سے تھامتے ہوئے باہر نکل گئے۔

''انسان ہار ہار کر ہی جیتنا سیکھتا ہے۔ اگر تم ہر بار ہی جیتو گے تو تمہارے اندر سے جیتنے کا جذبہ ہی ختم ہو جائے گا۔ ہار کر انسان اگلی بار پہلے سے زیادہ محنت کرتا ہے پھر وہ جیت ہی جاتا ہے۔'' گریسن نے اسے سمجھایا۔

''پھر بھی۔ بندہ ایک دو بار تو جیتے۔'' وہ منہ بسور کر بولا اور پورے گھر کی دیواروں نے بھی گریسن کا فلک شگاف قہقہہ سنا تھا۔ سٹیفن بھی چند لمحوں بعد ہنس پڑا۔

وہ دونوں کچن میں آ گئے۔ تین افراد کے لیے وہاں کرسی اور میز رکھا تھا۔ وہ تینوں ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے۔ گریسن، مہر کو سٹیفن کی بات بتا رہا تھا۔ مہر بھی ہنس پڑی تھی۔

وہ کھانا کھا چکے تھے۔ سٹیفن اپنے کمرے میں جا چکا تھا۔

''آج مجھے ایک بچہ ملا۔'' مہر نے گریسن کو صبح کا واقعہ بتا دیا۔

''دنیا میں ایسی بہت سی مثالیں ہیں۔'' گریسن نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ مہر اداس ہو گئی تھی۔ گریسن اس کی اس حساس طبیعت سے واقف تھا۔

''جانتی ہوں۔'' اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ ''میں ان بچوں کے لیے کچھ کرنا چاہتی ہوں گریسن۔ کیا ہم کوئی ایسا ادارہ نہیں کھول سکتے جو بچوں کو کم از کم چھت ہی دے سکے؟ فورکس میں آئے دن بارشیں ہوتی ہیں۔ ایک جھونپڑی کیسے انہیں بارش سے بچا سکتی ہے؟'' مہر اس بچے کی تکلیف محسوس کر سکتی تھی۔

''کیا مطلب؟'' گریسن سمجھ نہ سکا۔

''میرا مطلب ہے کہ ہم ایک اور فن ایج نہیں کھول سکتے؟'' مہر کے سوال پہ گریسن خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس تو کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

''دیکھو گریسن......'' وہ ذرا آگے ہوئی۔ ''ہم اتوار کو چرچ جا کر فادر (پادری) سے بات کریں گے کہ وہ چرچ میں ہی اور فن ایج کھول لیں۔ اتنا بڑا چرچ ہے۔ ایک دو کمرے ایسے بچوں کو دے بھی دیے جائیں تو کیا فرق پڑے گا؟'' مہر کی بات ٹھیک تھی۔ چرچ تو واقعی بہت بڑا تھا۔

گریسن نے بات سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا۔

''ہم بات کریں گے پھر......'' گریسن نے کہا۔

''ہاں، کرنی چاہیے۔ ایسے بے سہارا بچوں کے لیے ہم کچھ کریں گے تو خدا کتنا خوش ہو گا گریسن۔'' مہر کی بات پہ گریسن مسکرایا۔

''مام۔ مام...... میری شرٹ نہیں مل رہی۔ پلیز ڈھونڈ دیں۔'' سٹیفن بولتا ہوا اندر داخل ہوا۔ اس اٹھارہ سالہ جوان کی شکل بالکل گریسن کی طرح تھی اور آنکھیں...... وہ مہر کی طرح تھیں۔ کالی...... خوبصورت......

''ادھر سامنے ہی ہو گی تم دیکھنا۔ میں ابھی جاؤں گی تو مجھے نظر آ جائے گی۔'' مہر نے ذرا خفگی کہا۔ ابھی تک سٹیفن کے کام مہر کو ہی کرنے پڑتے تھے۔ وہ کب بڑا ہو گا؟ مہر اکثر اسے کہتی تھی۔

''آؤ میرے ساتھ۔ نالائق۔''

کمرے میں آ کر اس نے سٹیفن کو اس کی مطلوبہ شرٹ فوراً ہی ڈھونڈ کر دے دی تھی۔ وہ شرمندہ ہی ہو گیا تھا۔

''پہلے یہاں نہیں تھی۔ میں نے دو بار دیکھا تھا۔'' وہ حیرت سے بولا۔

''تمہیں پتا نہیں کہ تمہاری ماں جادو گرنی ہے۔میں نے منتر پڑھا ہے اور شرٹ تمہارے سامنے ہی تو یہاں آئی ہے۔جادو سے......''مہر نے اسے گھورا۔سٹیفن جھینپ کر بالوں میں خارش کرنے لگا۔

''چلو اب سو جاؤ۔''وہ کہتی ہوئی کمرے سے باہر چلی گئی۔

☆☆☆☆☆

اتوار کا دن......

چرچ کی عمارت کو سورج کی کرنوں نے گھیر رکھا تھا۔آس پاس لگے درختوں کے پتے، ہلکی ہلکی ہوا کے ساز پہ ناچ رہے تھے۔چرچ کے باہر بگھی بان کنویں میں سے پانی نکال کر اپنی پیاس بجھا رہے تھے۔گھوڑوں کو گھاس کھاتا چھوڑ کر وہ بھی چرچ کے اندر چلے گئے۔ہفتے میں ایک دن ہی صحیح...... مگر خدا کی عبادت تو کریں۔

چرچ کا بڑا سا ہال بشر سے پاک تھا۔عبادت کے مخصوص کمرے کے باہر ایک نن کالا چولہ پہنے کھڑی تھی۔آتے جاتے لوگوں کو سلام و آداب پیش کر رہی تھی۔

عبادت مکمل ہوئی تو قطار کی صورت، سب کمرے سے باہر نکلے۔سٹیفن کے ساتھ مہر اور گریسن بھی......

''فادر کہاں ہیں؟''اس نے پاس کھڑی ایک نن سے پوچھا۔

''وہ سامنے کمرے میں ہیں۔''اس نے کمرے کی طرف اشارہ کیا۔مہر اس کا شکریہ ادا کرتی کمرے کی طرف چل پڑی۔تب اسے نہیں پتا تھا کہ مستقبل قریب میں یہ کمرہ اس کا ہونے والا ہے۔

گریسن اور سٹیفن اس کے عقب میں ہی تھے۔

دروازے پہ دستک دی تو اندر سے اجازت مل گئی۔وہ تینوں اندر چلے گئے۔دروازے کی سامنے دیوار کے وسط میں بڑی سی کھڑکی تھی جس پہ پردہ پھیلا ہوا تھا۔کھڑکی کے نیچے ایک میز اور کرسی رکھی تھی۔میز پہ چند کاغذات رکھے تھے۔ایک طرف قلم اور سیاہی بھی...... کھڑکی کے سامنے والی دیوار پہ شیشہ لگا تھا۔ان دونوں کے درمیان ہی بیڈ تھا جس کا تختہ دیوار کے ساتھ لگا تھا۔بیڈ اور میز کے آگے ایک قالین بچھا تھا۔

رسمی علیک سلیک کے بعد مہر نے اپنا مدعا بیان کیا۔

''میں چاہتی ہوں کہ اس چرچ میں ایک اور فن ایج کھولیں۔یہ چرچ بہت بڑا ہے۔اگر ایک یا دو کمرے معصوم اور بے سہارا بچوں کو چند سالوں کے لیے دے دیے جائیں تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔جیسے ہی بچے بڑے ہو جائیں گے تو وہ خود کمانا شروع کر دیں گے۔اس سے پہلے ہم کم از کم انہیں ایک چھت تو دے ہی سکتے ہیں۔میں ایک ماں ہوں۔اپنے بچے کو اس طرح گلیوں اور بازاروں میں

بھیگ مانگتا نہیں دیکھ سکتی بلکہ میں تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی فادر۔ تو سوچیں جن ماؤں کی اولادیں سڑکوں پہ اپنے ہاتھ پھیلا کر بھیگ مانگتی ہیں، تو ان کی کیا حالت ہوتی ہو گی؟'' وہ ایک دم جذباتی ہو گئی تھی۔ اس کی آنکھیں بھیگ چکی تھیں۔ گریسن نے اس کے شانے پہ ہاتھ رکھا۔

''آنسو صاف کرو مہر۔ ہم اس بارے میں سوچتے ہیں۔ تمہاری تجویز بہت اچھی ہے۔ بے سہارا بچوں کو سہارا دینا چاہئے۔'' فادر نے اس کی بات سمجھ کر اثبات میں سر ہلایا۔ ''تم کل آنا ان بچوں کو لے کر۔ ہم انہیں ایک کمرہ تو دے ہی سکتے ہیں۔''

وہ فادر کی بات سن کر خوش ہوئی تھی۔ بے سہارا بچوں ے لیے کوئی نہ کوئی راستہ تو نکل ہی آیا۔

وہ گھر آ گئے۔

موسم نے پھر سے پلٹا کھایا اور صبح کی دھوپ اب رات کی بارش میں بدل گئی تھی۔ بارش اتنی تند و تیز تھی کہ اوپر دیکھنا دشوار تھا۔

سٹیفن اپنے کمرے میں تھا۔

مہر اور گریسن اپنے کمرے میں تھے۔

''یہ تو بہت اچھا ہو گیا۔'' مہر بہت خوش تھی۔

''ہاں۔'' گریسن اس کی خوشی میں خوش تھا۔

☆☆☆☆☆

انسان جو کام صدقِ دل سے کرتا ہے، خدا اس میں خیر و برکت عطا کر دیتا ہے۔ صدق شرط ہے۔

مہر نے بھی صدقِ دل سے کچھ اچھا کرنے کا سوچا تو خدا نے اس کے کام میں مدد دی۔ اس کی تمام مشکلات آسان کر دیں۔ اگر وہ کوئی ایسا ادارہ کھولنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے تو کم از کم اسے ایک اچھا خیال ہی آ گیا تھا۔ چرچ کو اور فن ایج بنانا...... پہلے کسی نے اس بارے میں نہیں سوچا تھا۔ یہ حصہ مہر کا تھا۔ خیال اسی کو آیا اور منزل پہ وہی چلی۔

جو بچہ اسے بازار سے واپسی پہ ملا تھا وہ اب ایک اور بچے کے ساتھ اسی نئے اور فن ایج میں رہ رہا تھا۔ وہ اگلے دن اسے وہیں چھوڑ آئی تھی۔ بچے وہاں جا کر خوش ہوئے تھے۔ اب انہیں ایک وقت کے کھانے کے لیے دنیا کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلانے پڑتے تھے۔ اب انہیں بارش کی وجہ سے جھونپڑی کی فکر نہیں ستاتی تھی۔ انہیں وہاں چھت سمیت کھانا بھی ملتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ مہر نے ان بچوں کو تعلیم دینے کی تجویز بھی پیش کی۔ انہی سے میں ایک نن انہیں عیسائیت کے ساتھ ساتھ دنیا کی بنیادی تعلیم بھی دینے کو تیار ہو گئی۔ مہر اس سب سے بے حد خوش تھی۔ اس کی خواہش پوری ہو چکی تھی۔ اس نے ان بچوں کے لیے کچھ تو کر لیا تھا۔ اور یہ بہت کچھ تھا۔

اخبار میں چرچ کے اندر ہی اور فن ایج کھلنے کی خبر بھی چھپی تھی۔ بہت سے لوگوں کو اس نئے قدم کے بارے میں پتا چل چکا تھا۔ سب اس قدم کو نیکی سمجھ رہے تھے۔ کوئی ابھی تک مہر کے نام سے واقف نہیں تھا۔ مہر کی یہ خواہش بھی نہیں تھی۔ اسے بے نامی قبول تھی، دکھاوے کی شہرت نہیں......

اور فن ایج کو بنے ہوئے ایک ہفتے سے زائد دن ہو چکے تھے۔ وہ ایک دو بار اور فن ایج گئی بھی تھی۔ جانے سے پہلے وہاں بچوں کے لیے کچھ کپڑے وغیرہ لے گئی تھی۔ بچے نئے کپڑے دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ سب کچھ ٹھیک چل رہا تھا بس ابھی تعلیم کا سلسلہ صحیح سے شروع نہیں ہوا تھا۔ فادر نے کچھ دن تاخیر کرنے کا کہا تھا۔ وہ کسی اچھی ٹیچر کی تلاش میں تھے کیونکہ وہ نن پہلے ہی بہت مصروف تھی۔ فادر نے اسے چرچ پہ دھیان دینے کا کہا۔ وہ چاہتے ہوئے بھی مزاحمت نہ کر سکی۔

مہر اپنے گھر ہی تھی۔ سٹیفن اپنے دوستوں کے ساتھ باہر گیا ہوا تھا۔ گریسن ابھی کام سے واپس نہیں آیا تھا۔ مہر کچن میں کھڑی کھانا تیار کر رہی تھی۔ کھانا بنانے میں وقت بہت تیزی سے گزرا۔ مہر نے ساتھ ساتھ گھر کی صفائی بھی کر لی تھی۔ اس سب میں شام ڈھل چکی تھی۔

وہ اب فارغ تھی۔

وہ ابھی اپنے کمرے میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ دروازے پہ دستک ہوئی اور اسے پھر سے اٹھنا پڑا۔ گریسن یا سٹیفن ہو گا۔

اس نے سوچا۔

''آپ لیڈی مہر ہیں؟'' دروازے پہ کوئی اور تھا۔ اس نے دروازہ کھولنے کے بعد لڑکے کو کہتے سنا۔

''آپ کون؟'' کون تھا وہ؟ اور اس وقت......

''میں چرچ سے آیا ہوں۔ فادر نے آپ کو کل چرچ بلایا ہے۔ انہیں آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔ وہ کہہ رہے تھے کہ آپ کو کل ہی آنا ہو گا۔ اتوار میں ابھی پانچ دن ہیں۔ وہ انتظار نہیں کر سکتے۔'' اس آدمی نے فادر کا پیغام مہر کو سنا دیا۔

مہر اس کی بات پہ حیران ہوئی۔ دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا تو لڑکا واپس چلا گیا۔ ایسی کیا خاص بات تھی کہ فادر نے کل ہی آنے کا کہا ہے؟ مہر کوئی ممکن وجہ سوچتی ہوئی اندر آئی اور اسے جو وجہ سمجھ آئی تھی وہ مہر کو مزید پریشان کرنے کے لیے کافی تھی۔ اور فن ایج......

گھنٹے بعد گریسن گھر آیا تو مہر نے کھانا کھانے کے بعد اسے فادر کے پیغام کے بارے میں بتایا۔ سٹیفن بھی وہیں تھا۔ وہ دونوں بھی مہر کی بات سن کر سوچ میں پڑ گئے تھے اور دونوں کو جو بات پہلی دفعہ ذہن میں آئی تھی وہ پریشان کن تھی۔ اور فن ایج......

اگلا دن چڑھتے ہی مہر گریسن کے ساتھ چرچ چلی گئی۔ وہ دونوں گاڑی پہ ہی آئے تھے۔ سارا راستہ مہر پریشان رہی تھی۔ اسے بس ان بچوں کی فکر تھی۔ یقیناً فادر نے اسی بارے میں بات کرنے کے لیے اسے بلوایا تھا۔

بڑی سی عمارت ویسی ہی تھی۔ خوفناک......دحشت ذدہ......

بڑا سا صلیب کا نشان ہمیشہ کی طرح سورج کی سنہری کرنیں پڑنے کی وجہ سے چمک رہا تھا۔

وہ دونوں متذبذب سے اندر گئے۔ ہال ویران نہیں تھا۔ دو بچے وہاں کھیل رہے تھے۔

''وہ دیکھو مہر آنٹی آئی ہیں۔'' ایک بچے نے مہر کو دیکھا تو فوراً بول اٹھا۔ دونوں اپنا کھیل چھوڑ کر دوڑتے ہوئے مہر کے پاس آئے۔ انہیں دیکھ کر مہر بہت خوش ہوئی تھی۔ بچے ایک چھت کے نیچے تھے۔ وہ خوش تھے۔ وہ کھیل رہے تھے۔ ان کے چہروں پہ کتنا سکون تھا۔ وہ اب کھانے کی فکر سے آزاد تھے۔ ان سب نے مہر کے لائے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ ان کے بالوں میں مٹی نہیں تھی۔ وہ صاف ستھرے تھے۔

مہر ان سے بہت پیار سے ملی۔ تھوڑی بہت باتیں بھی کیں۔ اتنے میں ایک نن مہر کے پاس آئی۔

''فادر کہاں ہیں؟'' مہر نے اس سے پوچھا۔

''وہ اپنے کمرے میں ہیں۔''

مہر، بچوں کو الوداع کہتی گریسن کے ساتھ فادر کے کمرے کی طرف چلی گئی۔ اندر سے اجازت ملنے پہ ہی وہ دونوں اندر گئے تھے۔

اندر کا حال ویسا ہی تھا۔ کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی......سوائے ان ڈبوں کے......

ان دونوں کو ڈبے دیکھ کر اپنے خدشات ٹھیک ثابت ہوتے لگ رہے تھے مگر خاموش......

''کیسے ہو تم دونوں؟ آؤ بیٹھو۔'' فادر نے دونوں کو مسکرا کر بیڈ پہ بیٹھنے کا کہا۔ وہ خود کرسی گھسیٹ کر ان کے سامنے بیٹھ گئے۔

''خیریت ہے فادر، آپ نے اتنی جلدی میں بلوایا؟'' مہر بس وجہ جاننا چاہتی تھی۔ کہیں اور فن ایج تو......

''دراصل بات یہ ہے کہ......'' فادر نے توقف کیا۔ مہر سمجھ چکی تھی کہ بات اور فن ایج کے بارے میں ہی ہے۔ اس کی چھٹی حس اسے بری خبر کے لیے تیار رہنے کا کہہ رہی تھی۔ مہر کا دل انکار کر رہا تھا۔ مہر کا ذہن حقیقت کو دیکھ رہا تھا۔

''دراصل بات یہ ہے کہ لوگوں نے ہمیں ایک مشورہ دیا ہے۔'' کالے لباس میں ملبوس بڑی عمر کے آدمی نے اپنے گلے میں پہنی زنجیر، جس میں صلیب کا ایک چھوٹا سا نشان لٹک رہا تھا، کو ہاتھوں میں تھام کر کہنا شروع کیا۔ گریسن اور مہر خاموشی سے سن رہے تھے۔

''یہاں سارے لوگ فورکس سے ہی آتے ہیں۔ یہ چرچ فورکس کی حدود سے ذرا باہر ہی ہے۔ لوگوں کی بات ماننا تو ہمارا فرض ہے۔ انہی لوگوں کی وجہ سے تو چرچ چلتے ہیں۔'' وہ خاموش ہوئے اور گہری سانس خارج کی۔

''آپ صاف صاف بات کریں فادر۔'' فادر کی پہیلیوں کی وجہ سے گریسن نے کہا۔

''ہم یہ چرچ فورکس میں منتقل کر رہے ہیں۔ جب سب لوگ ہی وہاں ہیں تو چرچ بھی وہاں ہی ہونا چاہئے۔'' فادر نے وجہ بتا ہی دی۔ چرچ شہر جا رہا ہے تو کیا بچے بھی وہیں جائیں گے؟ یا نہیں...... مہر کو بس بچوں سے سروکار تھا۔

''پھر؟'' بس اتنا ہی اس کے منہ سے نکل پایا تھا۔

''پھر یہ کہ اور فن ایج بند ہو رہا ہے۔'' جس کا ڈر تھا وہی ہوا۔ اگر اور فن ایج بند ہو رہا ہے تو بچے کہاں جائیں گے؟ کیا پھر سے اپنی پرانی زندگی میں؟ نہیں...... مہر ایسا نہیں ہونے دی گی۔ ابھی تو دو ہفتے بھی پورے نہیں ہوئے تھے اس اور فن ایج کو بنے ہوئے۔ یہ خیال دو ہفتے پہلے تک کیوں نہیں آیا تھا؟ پہلے سب کہاں تھے؟ اور اگر اب خیال آ بھی گیا ہے تو صرف چرچ کا ہی کیوں؟ ان بے سہارا بچوں کا کیوں نہیں؟ کیا خدا کی عبادت بس اس چرچ تک ہی محدود ہے؟ کیا انسانوں کا احساس کرنا خدا کا حکم نہیں ہے؟ اس کے ذہن میں کئی سوال گردش کر رہے تھے۔ اسے دکھ تھا۔ افسوس تھا۔ غصہ بھی......

''یہ کیسے ہو سکتا ہے فادر؟ کیا آپ بچوں کو وہاں نہیں لے کر جا سکتے؟ اور اس عمارت کا کیا؟'' وہ فکرمندی سے بولی۔

''میں تو اس بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہ چرچ اس سے کئی گنا چھوٹا ہے۔ وہاں اور فن ایج نہیں بن سکتا۔ اور ساری Nuns تو ہمارے ساتھ ہی جا رہی ہیں۔ ان بچوں کی دیکھ بھال کون کرے گا؟ کوئی یہاں کیسے رہ سکتا ہے؟ مجبوراً ہمیں یہ اور فن ایج بند ہی کرنا پڑے گا۔ آئی ایم سوری فار کڈز (مجھے بچوں کے لیے افسوس ہے)۔'' فادر لاتعلقی سے بولے۔ انہیں جیسے اس بات سے کوئی سروکار ہی نہیں تھا۔ وہ مہر کی طرف دیکھ رہے تھے جیسے کہہ رہے ہوں کہ اپنا پھیلایا ہوا گند خود ہی صاف کرو۔ کیا وہ گند تھا؟ گند......

''میں رہوں گی یہاں۔ میں ان بچوں کی دیکھ بھال کروں گی۔ آپ اس اور فن ایج کو میرے حوالے کر دیں۔ میں نے خدا سے عہد کیا ہے۔ میں ان بچوں کو پھر سے بے سہارا نہیں چھوڑ سکتی فادر۔'' وہ جذباتی ہو کر یہ فیصلہ نہیں کر رہی تھی۔ بہت ہوش میں ہی اس نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ اس کی بات سن کر گریسن نے چونک کر اسے دیکھا۔

''مہر......'' اس نے آہستہ سے کہا۔ ''میرے ساتھ باہر آنا۔ ابھی......'' وہ حیران تھا۔ اتنی اچانک...... اتنا بڑا فیصلہ......

مہر جانتی تھی کہ اسے گریسن سے بات کرنی ہی ہے۔ وہ دونوں کمرے سے باہر چلے گئے۔

ہال میں بچے کھیل رہے تھے۔ مہر نے ایک نظر انہیں دیکھا۔ وہاں اب ایک لڑکی بھی تھی۔ بھورے گھنگریالے بالوں والی لڑکی...... بھوری آنکھیں اور سفید رنگت والی بچی...... وہ خوبصورت تھی۔

''مہر یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟'' گریسن دبے دبے غصے سے بولا۔

''گریسن پلیز۔ میری بات سمجھنے کی کوشش کریں۔ میں بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ میں نے خدا سے وعدہ کر لیا ہے۔ مام بھی میرے خواب میں آئی تھیں۔ وہ بھی مجھے یہی کہہ رہی تھیں کہ بچوں کو کبھی اکیلا مت چھوڑنا۔ میں یہ ہرگز نہیں کر سکتی گریسن۔ ہرگز نہیں......'' وہ رونے لگی تھی۔ اس کے لیے یہ مشکل ترین وقت تھا۔

''میرا اور سٹیفن کا کیا؟'' گریسن کا سوال جائز تھا۔

''دیکھو گریسن۔ اگر میں نے یہ نہ کیا تو میں ساری زندگی خود کو معاف نہیں کر سکوں گی۔ خدا سے کیے گئے وعدے نہ نبھاؤ تو زندگی میں سکون نہیں رہتا۔ ہم لوگ گھر بیچ کر اسی اورفن ایج میں رہ لیتے ہیں۔ ہم ایک اور گاڑی لے لیں گے۔ تم کوئی سٹور کھول لینا۔ سٹیفن بھی یہیں رہے گا۔ آہستہ آہستہ زندگی ٹھیک ہو جائے گی۔ میں اب اپنے وعدے سے پھر نہیں سکتی۔ ہرگز نہیں......آئی ایم سوری۔'' اس نے اپنے آنسو صاف کیے۔

گریسن ایک ٹک اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کے پاس کوئی جواب ہی نہیں تھا۔

''یہ لیں پانی پیئیں۔'' دفعتاً وہ بھورے بالوں والی بچی ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے اس تک آئی۔ مسکراتے ہوئے گلاس آگے بڑھایا۔ مہر کے آنسو اس کی مسکراہٹ دیکھتے ہی تھم گئے تھے۔ آنکھوں میں سوال بھی تھا۔

''میں نے تو پانی نہیں مانگا۔'' مہر نے پانی کا گلاس تھامتے ہوئے کہا۔

''مام کہتی تھیں کہ جب کوئی غصے میں ہو یا رو رہا ہو تو اسے پانی پینا چاہئے۔'' معصومیت سے کہا۔ مہر کو اس کی بات سن کر اس پہ پیار آیا تھا۔

گریسن نے آگے بڑھ کر بچی کو پیار کیا۔ دونوں کو لگا کہ اگر ان کی کوئی بیٹی ہوتی تو وہ ایسی ہی ہوتی۔ مہر نے بھی اسے پیار کیا۔

مہر نے پانی پیا۔ بچی گلاس لے کر جانے لگی تو مہر نے اسے بلایا۔ ''سنو......''

وہ پلٹی۔ آنکھیں ابھی تک مسکرا رہی تھیں۔

''تمہارا نام کیا ہے؟''

''انجلین......''

دروازہ بجا تو ۱۹۲۰ کی قید میں لیڈی مہر ۱۹۳۸ میں واپس آئیں۔ ہاتھ میں ابھی تک انگوٹھی تھام رکھی تھی۔ سامنے کا منظر ابھی بھی دھندلا ہی تھا جسے انہوں نے آنسو صاف کر کے صاف کیا۔

دروازے پر پھر سے دستک ہوئی۔

بوڑھی لیڈی مہر نے انگوٹھی واپس دراز میں رکھی۔ گیلی سانس اندر کھینچی اور آجاؤ کہا۔ حتی الامکان کوشش کی کہ آواز ٹھیک ہی لگے مگر اندر آنے والی نے فوراً ہی آواز کے ٹھیک نہ ہونے کا اندازا لگا لیا تھا۔

وہ انجلین تھی۔

اندر آتے ہی اس نے فوراً دودھ کا گلاس سائڈ میز پہ رکھا۔ لیڈی مہر نظریں جھکائے بیڈ پہ بیٹھی تھیں۔

''کیا ہوا آپ کو لیڈی مہر؟'' انجلین واضح پریشان ہوئی تھی۔ لیڈی مہر اس کے دل کے بہت قریب تھیں۔ وہ ان کے بارے میں کوئی بات برداشت نہیں کرتی کجا ان کی آنکھ میں آنسو......

لیڈی مہر نے نفی میں سر ہلایا۔ ''کچھ نہیں۔'' اور انجلین جانتی تھی کہ اس ''کچھ نہیں'' میں بہت کچھ ہے۔

''آپ مجھے بتائیں لیڈی مہر۔ کیا روزی کے گرینی کہنے کی وجہ سے آپ......''

''۴۰ سال پہلے میری ماں دنیا سے چلی گئی تھیں۔ آج کے دن ہی...... بس انہیں یاد کر کے میں......'' آنسو نکلے اور الفاظ اندر ہی رہ گئے۔

انجلین ان کی حالت سمجھ سکتی تھی مگر وہ لیڈی مہر کو کیا کہتی؟ وہ انہیں تسلی کیسے دیتی؟ وہ انہیں بچوں کی طرح بہلا بھی نہیں سکتی تھی۔ پر اسے لیڈی مہر کو ایسے دیکھ کر بہت دکھ ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ سے اسے بہت عزیز تھیں۔ انہوں نے انجلین کا بہت خیال رکھا تھا۔ وہ کیسے انہیں چھوڑ سکتی تھی؟ دوسری طرف لیڈی مہر کو بھی انجلین پہ بہت اعتبار تھا۔ وہ بھی ان کے دل کے بہت قریب تھی۔ پہلے وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے دل کی باتیں کیا کرتی تھیں۔ ان کے لیے انجلین بیٹی سے بڑھ کر تھی۔ یہ تو لیڈی مہر نے جب سے اپنے پیاروں کو کھویا تھا وہ تب سے سخت ہو گئی تھیں۔ انجلین کے علاوہ اس وقت ان کے پاس کوئی بھی نہیں تھا۔ کوئی بھی نہیں......

انجلین تب تیرہ سال کی تھی جب لیڈی مہر سے ملی تھی۔ تب سے لے کر آج تک لیڈی مہر کو انجلین سے کوئی شکایت نہیں ہوئی تھی۔ وہ ان کا ہر کام کرتی تھی۔ جب وہ اکیلی تھیں تو وہ ہر طرح سے ان کا دل بہلانے کی کوشش کرتی تھی۔ مگر لیڈی مہر آہستہ آہستہ کم گو ہو گئی تھیں۔ انجلین نے ان کی طبیعت کو سمجھ لیا تھا۔ پھر اس نے اور فن ایج کی ساری ذمہ داری اپنے کندھوں پہ اٹھا لی تھی۔

''آپ لازمی دودھ پی لینا۔ صبح کا آپ نے ٹھیک سے کچھ نہیں کھایا۔ بھوک لگے تو مجھے اٹھا دینا۔ میں کھانا بنا دوں گی آپ کو۔'' افسوس بھرے لہجے میں کہتی وہ باہر چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی لیڈی مہر کے آنسو پھر سے بہنے لگے۔ وہ کتنی ہی دیر روتی رہیں۔ پھر جب من بھر گیا تو اپنی پسندیدہ کتاب نکال کر پڑھنا شروع کر دیا۔

زرد روشنی میں انہیں کتاب پہ لکھا ایک ایک لفظ نظر آ رہا تھا۔

☆☆☆☆☆

رات کے اندھیرے کو اور فن ایج کی تمام دیواروں نے اپنے اندر تک اتار لیا تھا۔ دور آسمان پہ چھوٹے چھوٹے تارے تو بکھرے تھے مگر وہ اور فن ایج کے اندر کا اندھیرا کم نہیں کر سکے تھے۔ اندھیرا ختم کرنے کے لیے روشنی کو اس کے سامنے سینہ تان کر کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح برائی کو ختم کرنے کے لیے اچھائی کو......

بالائی منزل میں روزی، ماریہ کے برابر میں سو رہی تھی مگر ماریہ جاگ رہی تھی۔ روزی کو سوتا چھوڑ کر وہ اٹھی۔ اپنا ہاتھ آہستہ سے روزی کے ہاتھ کے نیچے سے نکالا۔ وہ گہری نیند میں تھی۔ ماریہ نے اٹھ کر اندھیرے میں دیکھا۔ آنکھیں صحت مند تھیں اسی لیے اندھیرے میں دیکھنے میں آسانی ہوئی۔ پھر اس نے لالٹین جلایا تو زرد روشنی پورے کمرے میں پھیل گئی۔ روزی پہ ایک نظر ڈال کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی۔ سارا اور فن ایج اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ شاید آج انجلین نے لالٹین نہیں جلائے تھے۔ اس نے اپنا لالٹین والا ہاتھ آگے کیا اور چلنا شروع کر دیا۔ کمرے کے آگے بنی چھوٹی سی راہداری...... پھر بڑے سے زینے...... پھر کشادہ ہال......اور پھر اس کی منزلِ مقصود......

انجلین کا کمرہ......

دروازے پہ دستک دے کر وہ اندر آئی۔ دروازے کے مخصوص شور نے خاموشی میں دراڑ ڈال دی تھی۔

"ہیلو......" ماریہ نے ہاتھ ہلا کر کہا۔

انجلین زبردستی مسکرائی۔ "آ جاؤ۔"

"کیا ہوا؟ منہ کیوں لٹکایا ہوا ہے؟ بہت بری لگ رہی ہو ایسے۔" ماریہ کو علم ہو گیا تھا کہ انجلین پریشان ہے۔ اس کا انداز قدرے خوشگوار تھا مگر انجلین کو دیکھ کر وہ پریشان سی ہو گئی تھی۔

"نہیں۔" اس نے گہری سانس خارج کی۔ "وہ بس لیڈی مہر کا سوچ رہی تھی۔"

"کیا ہوا انہیں؟" وہ اس کے ساتھ بیڈ پہ بیٹھی تھی۔ لالٹین اس نے ذرا آگے زمین پہ رکھ دیا تھا۔

"وہ اداس ہیں۔ آج ان کی ماں کو گزرے ہوئے ۴۰ سال ہو گئے ہیں۔ تو بس...... وہ رو رہی تھیں۔ مجھ سے انہیں ایسے روتے ہوئے نہیں دیکھا جاتا میری۔ وہ میری ماں کی طرح ہیں۔ انہوں نے میرا بہت خیال رکھا ہے۔ بہت زیادہ......" اس کا ضبط ٹوٹ چکا تھا۔ سر جھکا کر وہ رو دی۔ ماریہ کی آنکھوں میں بھی پانی بھر آیا تھا۔ وہ اس کے قریب ہوئی اور اسے گلے سے لگا لیا۔ انجلین اب پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی۔

''اچھا بس کرو۔ آئی ایم سوری۔ میں ان کے بارے میں کیا کچھ کہتی گئی۔ تمہیں برا لگتا ہوگا۔''اس نے اپنے رویے کی معذرت کی۔انجلین کچھ نہ بولی، بس روتی رہی۔جی بھر کر رونے کے بعد وہ اس سے الگ ہوئی۔ماریہ کا کندھا انجلین کے آنسوؤں سے بھیگ چکا تھا۔

''میں نے جب انہیں پہلی بار دیکھا تھا تو وہ اپنے شوہر کے ساتھ یہاں آئی تھیں۔وہ اس وقت ان سے بات کرتے ہوئے رو رہی تھیں۔وہ اس وقت درمیانی عمر کی تھیں۔میری...... میں ہال میں کھیل رہی تھی۔میں نے انہیں روتے دیکھا تو میں ان کے لیے پانی لینے چلی گئی۔مجھے وہ پہلی نظر میں ہی اچھی لگی تھیں۔جب میں نے پانی دیا تو انہوں نے مجھے ایسے پیار کیا جیسے میں انہیں کافی عرصے سے جانتی ہوں۔ گریسن انکل نے بھی مجھے پیار کیا تھا۔میں نے ان کی باتیں سن لی تھیں۔وہ ہمارے بارے میں بات کر رہی تھیں۔وہ کہہ رہی تھیں کہ وہ اپنا گھر بار چھوڑ کر یہاں آجائیں گی مگر کبھی بھی ہم بچوں کو اکیلا نہیں چھوڑیں گی۔پھر وہ فادر سے ملنے کمرے میں چلی گئیں۔''انجلین نے اپنے آنسو صاف کیے۔

ماریہ کی آنکھیں بھی بھیگ گئی تھیں۔

''یہ اورفن ایج...... پہلے ایک چرچ ہوا کرتا تھا۔فورکس کے سب عیسائی یہاں آتے تھے۔میں بھی اپنی ماں کے ساتھ یہاں آتی تھی۔پھر جب میری ماں......اس دنیا سے رخصت ہوئی تو مجھے سمجھ نہیں آیا کہ میں کیا کروں؟آس پاس کے لوگوں نے ہی میری ماں کی آخری رسومات ادا کی تھیں۔میں اگلے دن بھاگتی ہوئی یہاں آگئی۔مجھے اس چرچ کے علاوہ اور کوئی جگہ معلوم ہی نہیں تھی۔میں خود نہیں جانتی میں یہاں کیوں آئی تھی؟فورکس میں ہمارے رشتے دار بھی نہیں تھے،نہ ہی ہم زیادہ امیر تھے۔میں تب بارہ تیرہ سال کی تھی۔روزی جتنی...... یہاں آکر ایک نن نے مجھے کہا کہ میں یہاں رہ سکتی ہوں۔یہاں دو بچے اور بھی تھے۔انہوں نے مجھے بتایا کہ یہ ایک اورفن ایج ہے اور وہ یہاں لیڈی مہر کے ساتھ آئے ہیں۔وہ بہت اچھی ہیں۔میں نے دل ہی دل میں ان سے ملنے کی دعا کی اور اگلے چار پانچ دن بعد ایک اتوار کو وہ آئی بھی تھیں مگر میں ان سے مل نہیں سکی تھی۔میں ایک نن کے ساتھ کام سے باہر گئی ہوئی تھی۔میرا موقع ضائع ہوگیا۔مجھے تب دکھ ہوا تھا کیونکہ میں ان سے ملنا چاہتی تھی۔میں نے پھر سے دعا کی اور میری دعا قبول بھی ہوگئی۔اس کے لیے مجھے اگلی اتوار کا انتظار نہیں کرنا پڑا۔وہ اگلے ہی دن آگئی تھیں۔میں بہت خوش ہوئی اور انہیں دیکھ کر مجھے احساس ہوا تھا کہ دنیا میں اچھے لوگ ابھی زندہ ہیں۔انہوں نے مجھے پیار کیا۔وہ پیار کرنا مجھے آج بھی یاد ہے۔اس میں شفقت تھی۔بالکل ماں جیسی......مجھے بہت اچھا لگا۔اور پھر پانی پینے کے بعد انہوں نے میرا نام پوچھا۔''

کمرے میں بکھری زرد روشنی میں بھی ماریہ انجلین کے چہرے پہ بیتے کل کی یاد دیکھ سکتی تھی۔انجلین کی آنکھوں کے سامنے سے حال کا منظر غائب ہوا اور ماضی کا وہ دن واضح ہوا جب لیڈی مہر نے اس سے اس کا نام پوچھا تھا۔آج سے اٹھارہ سال قبل......

۱۹۲۰ میں......

اسی اور فن ایج میں......

اسی ہال کے برآمدے میں......

ان دونوں کے سامنے......

لیڈی مہر پانی پی رہی تھیں۔

ان کا شوہر پاس ہی کھڑا تھا۔

بارہ تیرہ سالہ انجلین نے بھورے بالوں کو پونی میں قید کر رکھا تھا۔

اپنی بھوری آنکھوں سے وہ مسکراتے ہوئے لیڈی مہر کو دیکھ رہی تھی جو اسے پہلی نظر میں ہی بہت اچھی لگی تھیں۔

”انجلین......“

اس نے اپنا نام بتایا تھا۔

☆☆☆☆☆